تذکرہ
حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی
آپ کے اصلاحی و تجدیدی کارنامے برصغیر ہند و پاک کی
سب سے بڑی تحریک اصلاح و جہاد کی روداد
مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی
مجلس نشریات اسلام
۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (الصف)

تذکرہ

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی
آپ کے اصلاحی و تجدیدی کارنامے برصغیر ہند و پاک کی
سب سے بڑی تحریکِ اصلاح و جہاد کی روداد

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱۔کے۔۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

نام کتاب ——— تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ
تصنیف ——— مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی
طباعت ——— شکیل پرنٹنگ پریس، کراچی
اشاعت ——— ۱۹۹۶ء
ضخامت ——— ۲۲۴ صفحات

ٹیلیفون
۶۲۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی

فہرست

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

گیارہواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک اصلاح وجہاد پر متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" جو دو ضخیم جلدوں میں ہے اپنی مثال آپ ہے، مذکورہ بالا کتاب میں تفصیل سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں، مزید یہ کہ اس میں آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی اس سب سے بڑی تحریک اصلاح وجہاد اور احیائے خلافت کی مکمل روداد بیان کی گئی ہے، مندرجہ بالا کتاب کی موجودگی میں تذکرہ سید احمد شہیدؒ کو صرف اس لئے مرتب کیا گیا کہ بعض طبائع اختصار پسند ہوتے ہیں یا اپنی مصروفیات کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ کم سے کم وقت میں ان کو علمی وتاریخی معلومات حاصل ہو جائیں، حالانکہ سیرت سید احمد شہیدؒ کی موجودگی میں کسی مختصر کتاب کی ترتیب واشاعت ایسی ہے جیسے علم کے سمندر میں ایک چلو پانی ڈال دیا جائے۔

راقم سطور نے یہ کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ کو سامنے رکھ کر اور اس کی ترتیب

کے مطابق مرتب کی ہے، یہ دراصل اس کی تلخیص ہے جو صرف اس نیت سے کی گئی ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں گے، امید ہے کہ وہ اصل کتاب یعنی سیرت سید احمد شہیدؒ کے مطالعہ کرنے اور اسے دل میں اُتارنے کے مشتاق ہو جائیں گے، اور یہ کتاب اس سلسلہ میں ایک مہمیز کا کام انجام دے گی۔

کئی سال سے اس کتاب کا مسودہ رکھا ہوا تھا، لیکن اس کی اشاعت کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب مخدومی و مرشدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے اظہار پسندیدگی فرمایا تو راقم سطور کو حوصلہ ہوا کہ اس کی اشاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبول فرمائے اور مرتب اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس حلاوت ایمانی اور حمیت اسلامی کا کوئی حصہ عطا فرمائے، جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی زندگی کا جوہر اور ان کے رفقاء کا متاع گراں مایہ تھی۔

راقم سطور محترم و مکرم جناب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لائق نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کتاب پر گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی قیمت اور وقعت میں اضافہ ہوا، اور اسی کے ساتھ عم محترم جناب مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ کا ممنون ہے کہ انھوں نے پوری کتاب پر نظر ڈالی اور غلطیوں کی اصلاح فرمائی۔

مرتب بارگاہ الٰہی میں اس توفیق و سعادت پر جتنا بھی شکر ادا کرے وہ کم ہے اور وہ دعا کرتا ہے، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

محمد حمزہ حسنی
دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از: مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی من ارسلہ اللہ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن دعا بدعوتہ الیٰ یوم الدین، اما بعد!

آج سے ۵۶ سال پہلے، یعنی مارچ ۱۹۳۹ء میں خانوادہ سید احمد شہیدؒ رائے بریلی کے ایک ۲۴ سالہ نوجوان نے اپنے خاندان کے سرخیل سید شہیدؒ کی سوانح لکھی تھی، کتابی سائز کے ۴۶۴ صفحات پر مشتمل یہ سوانح برصغیر کی تحریک جہاد و تنظیم، اصلاح و تجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ تھی، یوں تو اہل علم کے حلقوں میں مصنف کو لوگ زیادہ تر ان کی اضافی حیثیت سے جانتے تھے، کہ وہ ہندوستان کے نامور علمی و دینی گھرانے اور برصغیر کی اسلامی تاریخ کے بڑے محقق و مؤرخ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے فرزند ہیں، حضرت شیخ التفسیر والمفسرین مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تربیت یافتہ اور ندوہ کے ایک نئے مدرس ہیں، خال خال لوگ اس سے بھی واقف ہوں گے کہ مصنف نے ۱۶ سال کی عمر میں سید شہیدؒ پر ایک مضمون عربی میں لکھا تھا جس کو سید رشید رضاؒ نے اپنے مجلہ "المنار" میں آب و تاب سے شائع کیا،

اور اس سے بڑھ کر قدر دانی یہ کی کہ اس کو ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔

"قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

سید رشید رضا عالم اسلام اور عرب دنیا کے چیدہ علماء میں تھے، اور علوم تفسیر و بلاغت کے علاوہ تاریخ اسلام کے مد و جزر پر وسیع نظر رکھتے تھے، ان کی ستائش اور قدردانی اور ایک ہندوستانی نوعمر عالم کے مقالہ کو اہمیت دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی، بہت ہی غیر معمولی بات تھی، پھر بھی اس حقیقت کے شناسا صرف چند افراد ہو سکتے تھے، جن کو عالم اسلام کی علمی تحریکات اور وہاں کے چوٹی کے انشا پردازوں اور مصنفوں سے واقفیت تھی۔ دوسری طرف اہل قلم، اہل دل اور اصحاب حلقہ مرشدوں اور علماء سے افق ہند تاباں تھا، اس زمانہ میں ایک نسبتاً غیر شہرت یافتہ نوجوان کی تصنیف کے متعلق کسی کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ یہ کتاب تاریخ اسلام کے وسیع کتب خانہ میں ایک "فتح باب" ثابت ہوگی، وقت کے بڑے بڑے مشائخ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اس کی قدر دانی کریں گے، اور یونیورسٹیز کے اساتذہ، تاریخ کے مدرسین اور عام دانشور اس کی اہمیت تسلیم کریں گے، اور عام اصحاب حمیت و غیرت مسلمانوں میں یہ کتاب "اک آگ سی بھر دے گی" اور ایک مختصر سی کتاب جو صرف ایک جلد میں نکلی ہے وہ مصنف کو ہلال عید بنا کر نمایاں کر دے گی، کتاب کھول کر آج بھی دیکھ لیجیے کوئی انشا پردازی، لفظی صناعی، مبالغہ آمیز فقرے نہیں ہیں، بلکہ منقبت اور مدح سرائی کی روح سے بھی یکسر پاک ہے، جو بھی کہا گیا ہے اس کے مآخذ اور حوالے موجود ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ جس قلم سے یہ کتاب نکلی تھی اس صاحب قلم کا یہ حال تھا قال نہیں، دل دردمند

کے ٹکڑے تھے، آہ نیم شبی کی ان سطور میں تاثیر تھی، ایک پاک دل، پاک زبان اور پاک سیرت رکھنے والے کے قلم سے سچی بات نکلی تھی، جس نے ہر اس دل پر اثر کیا جس میں صداقت کا نور تھا۔

مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جو آج ملت اسلامیہ کی آبرو اور عالم اسلام کی متفق علیہ برگزیدہ شخصیت ہیں، اپنی نوجوانی میں کتاب کے ذریعہ پورے ملک کے دانشوروں میں معروف ہو گئے تھے، اس کا ایک سبب یہ تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا کہ مصنف خود صرف صاحب قلم نہیں بلکہ صاحب دل تھے اور جس شخصیت کا سوانحی خاکہ انھوں نے تحریر کیا اس کی عظمت و اہمیت تو صاحب عظمت و اہمیت ہی جان سکتے ہیں، یہ وہ شخصیت تھی جس کا ذکر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) اس دین پر ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیاں پیدا کرتا رہے گا، جو کہ دین کی تجدید کرتی رہیں گی، اور کسی قسم کی احیاء دین میں کمزوری کو روا نہ رکھیں گی، ان بلاد شرقیہ میں تیرہویں صدی میں اگر کوئی ہستی اس مجددیت کا مظہر ہو سکتی ہے، تو یقیناً حضرت امام الائمہ مرشد الامۃ، محی السنۃ قطب عالم حضرت مولانا السید احمد الشہید رائے بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز کی عدیم النظیر ہستی ہے، جس نے جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں کو ان دیار سے نیست و نابود اور اہل سنت، اہل بدعت و فساد کی رسوم قبیحہ کو اکھاڑ پھینک دیا، علوم و معارف کے حقائق سے دنیا کی فضا کو منور کر دیا اور عملی سرگرمیوں اور اخلاص و للّٰہیت کی مساعی سے نفوس انسانیت کو منور کر دیا"

مسلمانوں میں جو سیاسی نظام ہونا ضروری اور مفید ہے اس کی بنیادیں استوار کردیں اور وہ حقیقی خدمات ملت بیضا کی سیاسیات وغیرہ میں انجام دیں جن کی نظیر سلف میں بھی کم پائی جاتی ہے۔"

علوم اسلامیہ کے نابغۂ روزگار مولانا سید سلیمان ندوی قدس اللہ سرہ نے اس کتاب کے تعارف میں ایک مبسوط علمی و تاریخی پیش لفظ تحریر فرمایا تھا جس میں حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف کی خدمات کا ذکر قدرے بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا شجرۂ نسب بھی دیا ہے، اس کے بعد جہاں حضرت سید شہیدؒ کا ذکر فرماتے ہیں وہ تاریخ کی امانت ہے اور ہند کی اسلامی جدوجہد کو سمجھنے کے لئے کلید کا حکم رکھتی ہے:

"مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فضل و کمال اور مجاہدہ و حال کے دو آتشہ سے رائے بریلی کے خمکدہ میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا، یہ سادات حسنی کا خاندان تھا، جس میں مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا، اس خاندان کا آغاز شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد مدنیؒ سے ہوا، جنھوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہندوستان آکر کڑا مانک پور کے نواح میں جو الٰہ آباد سے پہلے الٰہ آباد تھا، جہاد کیا۔"

اس خاندان کے آخری مورث سید شاہ علم اللہ ہیں جو عالمگیرؒ کے زمانہ میں تھے، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوریؒ کے فیض سے

مستفیض اور شرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلویؒ کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح خاندان میں حضرت مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہوگئیں۔

تیرہویں صدی کا آغاز تھا کہ اس خاندان میں چودہویں کا چاند طلوع ہوا، سنہ ۱۲۰۱ھ میں مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کی پیدائش ہوئی چند سال کے بعد یہ چاند مجاہدۂ و عرفان کا آفتاب بن گیا۔

اس آفتاب مجاہدۂ و عرفان کی سیرت اور ان کے خلفاء و معاونین جہاد کی عزیمت کے واقعات میں آج بھی وہ تاثیر ہے جو افسردہ و یخ بستہ اور حالات سے مایوس افراد کی رگ رگ میں آگ بھر دیتی ہے، سید شہیدؒ کی کرامتیں بھی بہت ہیں، مگر سب سے بڑی کرامت مُردہ سنتوں کا احیاء اور جہاد کی روح کو زندہ کرنا ہے، آپ کے تربیت یافتہ مجاہدانِ دین کی آپ بیتیاں سُنئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات عہد صحابہؓ کے ہیں، اور پڑھنے والے قرن اول میں سانس لے رہے ہیں۔ مؤرخوں میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے سید شہیدؒ کی تحریک جہاد کو مشہد بالاکوٹ تک محدود سمجھا ہے، مگر واقعہ ہے کہ مشہد بالاکوٹ سے اسلامیان ملت کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے، ان شہداء کے خون سے حقیقی معنوں میں ایمان کی بہار آئی اور چمنستان محمدیؐ کی تمام کیاریاں ان کے خون سے بار آور ہوگئیں، شرک و بدعت کا صحیح مفہوم عملی شکل میں سامنے آیا، غلط اور مجرمانہ قسم کی ہندو تہذیب کے اثرات سے معاشرہ پاک ہوا، وہ معاشرہ جس کے بگاڑ کی آخری حد یہ تھی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

kalahazrat@gmail.com

جیسے جلیل القدر محدث کی مجلس میں بھی سلام مسنون "السلام علیکم" کا رواج نہیں تھا، بلکہ یہ کہا جاتا تھا "بندہ تسلیمات عرض کرتا ہے"۔

نکاح بیوہ اس وقت ایسا گناہ عظیم تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کرتا تھا اور اس کی سزا اکثر اوقات قتل تھی، اکثر ایسا ہوا ہے کہ برادری نے دونوں کو قتل کر دیا ہے۔

سید شہیدؒ کا ایک تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے اس کی اور اس طرح کی دوسری غیر اسلامی، خالص برہمنی تہذیب کے اثرات کو ختم کیا، اور بڑی باریک بینی کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کو باریک سے باریک رگوں میں جو شرک و بدعت و شیعیت و رفض کا زہر سرایت کر گیا تھا اس کو اتنی توجہ و انابت، دعوت و عزیمت، اور عملی نمونوں سے ختم کیا، اس کی تفصیل سید شہیدؒ کی سیرت کے مختصر و مفصل دونوں تذکروں میں موجود ہے۔

سیرت سید احمد شہیدؒ، جب حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ کے قلب و قلم سے نکل کر دنیا کے سامنے آئی تو اس کے اثرات خانقاہوں سے نکل کر عصری جامعات کے میکدوں تک یکساں طور پر محسوس کئے گئے، اس سلسلہ کی ایک بات ایسی ہے جو کاتب الحروف کے نزدیک بہت اہم ہے اور اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دین اور اس کی عطا کا دروازہ کبھی اور کسی عہد میں بند نہیں ہوتا ہے، اخلاص و صداقت وہ جوہر ہے جو جب بھی اور جہاں بھی، جس گمنام سے گمنام کونے اور گمنام سے گمنام فرد کے ذریعہ سامنے آئے گا تو دنیا اس کے اعتراف میں پس و پیش

نہیں کرے گی، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اصل راس المال سخن سازی اور مکر و فن ہے، پروپیگنڈہ اور اشتہار بازی ہے، ان کے لئے ۱۹۳۹ء میں شائع ہونے والی یہ مختصر کتاب چشم کشا ثابت ہوگی، کہ سچے دل کی سچی بات آج بھی سیرت سازی میں اس طرح اکسیر ہے جس طرح پہلے زمانوں میں تھی۔

یہ کتاب تاریخی امانت کے لحاظ سے ممتاز تھی، مصنف کے درد دل اور ان کے صدق احساس نے اس کی خوشبو دور دور تک پھیلائی، لیکن ایک ترقی پذیر ذہن کے لئے قبول عام قناعت کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ مصنف (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ) نے اس کتاب کی مقبولیت پر قناعت نہیں کی، بلکہ اپنی تحقیق و جستجو اور قدیم و قلمی وثائق کی تلاش جاری رکھی، اس طرح دوسرا ایڈیشن دو جلدوں میں ایک ضخیم دستاویز بن گیا، سہل انگار اور سہل پسند طبیعتوں کے لئے ضخیم جلدوں کا مطالعہ آسان نہیں رہا، مصنف کو اپنے خاندان کی شاخ جو ٹونک میں آباد ہے ان کے ہاں سے قیمتی و کار آمد قلمی وثائق ملے، اور ان سب کا عطر کشید کرنے کے بعد بھی کتاب کی ضخامت ایسی ہو گئی جو صرف بڑے بڑے کتب خانوں کی، لائبریریوں کی زینت بن سکتی ہے اور اگر کوئی چاہے کہ سفر و حضر میں ساتھ رکھے اور بغیر وقت نکالے سرسری مطالعہ کر لے تو اس کے لئے یہ کام دشوار ہوگا، لیکن مصنف کی مجبوری یہ تھی کہ اس درجہ یقینی شہادتوں کے بعد جو ان وثائق سے حاصل ہوئیں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ضرورت تھی کہ اس عظیم تحریک سے اور تجدیدی کارنامے سے آئندہ نسلیں ناواقف بھی نہ رہیں، اور قدیم وثائق کی مدد سے جو تفصیلات حاصل ہوئی ہیں وہ ضائع بھی نہ ہوں، اس لئے ان تمام ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر ایک

kalahazrat@gmail.com

صاحب قلم کا انتظار تھا، جو اس کی جامعیت میں فرق لائے بغیر مختصر کر دے۔

یہ سعادت بھی اسی خانوادۂ حسنی کے حصہ میں آئی، جس خانوادہ کا ذکر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نپے تلے الفاظ میں کر دیا ہے کہ مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فضل و کمال کے دو آتشہ سے رائے بریلی کے خم کدہ میں سہ آتشہ تیار ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ کام عزیز گرامی مولانا سید حمزہ حسنی ندوی سے لیا، عزیز موصوف کو سوانح نگاری اور خاص طور پر اہل قلوب بزرگوں کی سوانح لکھنے کا ذوق وراثت میں ملا ہے، ان کے والد مرحوم (مولانا محمد الثانی رحمہ اللہ) جو راقم کے رفیق درس اور ہم عمر تھے اپنے خال معظم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی مدظلہ کی آغوش تربیت کے گوہر نایاب تھے، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے خصوصی تربیت یافتہ اور خلیفہ و مجاز بھی تھے، صورت و سیرت میں اسلاف کا نمونہ تھے، انھوں نے رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی سوانح آٹھ سو صفحات میں لکھی، اس کے بعد ان کے شیخ و مرشد نے ان کو حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری علیہ الرحمۃ کی سوانح لکھنے کا حکم دیا، جو انھوں نے تقریباً ہزار صفحوں میں لکھ کر آپ کی دعائیں لیں، اور حضرت شیخ ہی کی ایما پر انھوں نے مولوی محمد ہارون صاحب مرحوم (حضرت مولانا محمد یوسف علیہ الرحمۃ کے جواں مرگ صاحبزادہ) کی سوانح لکھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو موزونیت طبع کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی، ان کی شاعری، ان کی عقلیت اور رجحانات ذہنی کا پرتو تھی، گل و بلبل کی قافیہ آرائی نہیں تھی، بلکہ ابتہالات و مناجات پر مشتمل فغان نیم شبی کے ٹپکے ہوئے آنسوؤں کی لڑیاں مصرعوں کی شکل میں ڈھل جایا کرتی تھیں،

مغفور لہٗ نے ندوہ کا ترانہ بھی تصنیف کیا تھا اور متعدد نظمیں بچوں کے لئے لکھیں، لکھنے اور خاص طور پر بزرگوں کی سیرت نگاری پر ان کا قلم رواں اور پختہ تھا، عزیزی مولوی حمزہ سلمہ اللہ میں یہ تمام موروثی اثرات موجود ہیں۔ خاموش طبیعت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بیتاب دل اور چشم نم کی دولت ان کو وراثت میں ملی ہے، انھوں نے بڑی کاوش جگری سے اس ضخیم داستان خوں چکاں کو مختصر کیا ہے، اختصار کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی اہم بات چھوٹنے نہ پائے، اور تحریر طویل بھی نہ ہو، اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ مختصر کرنے والے کو موضوع کتاب سے مناسبت ہو، جہاں تک عزیز مولوی حمزہ حسنی سلمہ اللہ کی ذات کا تعلق ہے، ان کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ،

"ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو"

ان کے اختصار میں فنی مختصر نویسی کی نمائش نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل تالیف اور جامع مرقع ہے، واقعہ نگاری میں حقیقت پسندی سے ہر جگہ کام لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے قوی امید ہے کہ "سیرت سید احمد شہیدؒ" اور "جب ایمان کی بہار آئی" کی طرح یہ کتاب بھی مردہ دلوں کی مسیحائی کرے گی اور افسردہ دلوں کو گرمی اور روشنی عطا کرے گی، وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

دلم براہ تو صد پارہ باد و ہر پارہ
ہزار ذرہ و ہر ذرہ در ہوائے تو باد

پہلا باب

تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستان کی حالت

تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستان سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے زوال کی آخری حد تک پہونچ چکا تھا، سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، سارے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط تھا یا اس کے حلیفوں کا، بچا کھچا ملک رئیسوں اور سرداروں کے قبضہ میں تھا، جو یکے بعد دیگرے شکست کھاتے اور اپنے علاقے انگریزوں کے حوالے کرتے چلے جا رہے تھے۔

سلطنت مغلیہ کے فرمانروا شاہ عالم (جن کے عہد میں حضرت سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے) صرف نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، دکن سے لے کر دہلی تک سارا علاقہ مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے لے کر افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، جن کی دست برد سے ہندوستان کا شمالی اور وسطی حصہ بھی محفوظ نہ تھا، دہلی اور اطراف دہلی مرہٹوں اور سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنے رہتے تھے، مسلمانوں کی سیاسی ساکھ گر چکی تھی، ان کا کوئی قائد اور شیرازہ بند نہیں تھا، ان کو کمزور پاکر بیسیوں فتنے سر اٹھاتے اور ان کو پامال کر کے رکھ دیتے۔

اخلاقی حالت

ملک میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت اتنی گر چکی تھی کہ فسق و معصیت کی بہت سی باتیں آداب و تہذیب میں داخل ہو گئی تھیں اور اس پر اعلانیہ فخر کیا جاتا تھا، شراب نوشی کوئی نادر بات نہ تھی، ارباب نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا، امراء اور متوسط طبقہ سے لے کر غرباء تک اسی معاشرت کا شکار تھے، اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں کہ انگریزوں کے قدم پوری طرح جمے نہ تھے، متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، شرک و بدعت مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت وجود میں آگئی تھی، بزرگان دین کے متعلق وہ سارے عقائد و خیالات دلوں میں گھر کر چکے تھے جن کے لیے نصرانی اور یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کے بکثرت رسوم اہل سنت کی معاشرت کا جزو بن گئے تھے، سنت و شریعت کو لوگ بھولتے جا رہے تھے، اسلامی شعائر اٹھتے جا رہے تھے، اچھے اچھے دین دار اور علمی گھرانوں میں بھی قرآن و حدیث کے احکام کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، بیوہ کا نکاح، میراث میں لڑکیوں کو حصہ دینا اور سلام مسنون کو بہت جگہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح حج جیسے اسلام کے اہم رکن کی راستہ کی تکلیف اور بدامنی کی بناء پر فرضیت ساقط کر دی گئی تھی، قرآن شریف ایک چیستان سمجھا جانے لگا تھا جس کا سمجھنا اور سمجھانا، اس پر غور و تدبر کرنا، غیر علماء کے لیے ناممکن اور شجر ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی سیاسی، دینی اور روحانی حیثیت سے تیرہویں صدی کا یہ زمانہ بالکل تاریک اور ویران تھا اور اس ملک میں کہیں زندگی کے آثار اور کہیں روشنی کے مینار نہیں پائے جاتے تھے۔

تیرہویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل ذکر عہد ہے، اس میں بعض ایسی باکمال اور ممتاز ہستیاں موجود تھیں جن کی نظیر گذشتہ صدیوں میں بھی آسانی سے اور بکثرت نہیں ملے گی، دینی و علمی کمالات، قرآن و سنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق، ذکاوت و استعداد و ملکۂ علمی درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تبحر علمی، شعر و شاعری، تصوف و سلوک اور دوسرے علوم و فنون میں کمال رکھنے والی منفرد شخصیتیں اس صدی میں موجود تھیں، ان کے علاوہ اس دور قحط الرجال میں بھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی کہ ملک میں مکاتب اور مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا، چپہ چپہ پر خانقاہیں اور روحانی مرکز تھے، علماء ملک کے مختلف شہروں میں علم و دین کی اشاعت کا کام کر رہے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے، مدرسے طلباء علوم دینیہ سے اور خانقاہیں مردان خدا سے معمور تھیں، اکابر اہل درس اور اہل طریق میں سے ہر ایک ایک مستقل اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے۔

دین و علم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلف کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے مسلسل خرچ اور عرصہ سے آمد بند ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جا رہے تھے اور اضافہ و ترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا، بہترین صلاحیتیں اور جوہر موجود تھے، مگر ضائع ہو رہے تھے، زندگی کا صحیح مقصد اور قوتوں کا صحیح مصرف نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت اور دلیری، حوصلہ مندی، عزت و حمیت اور دوسری اعلیٰ صفات حقیر مقاصد میں صرف ہو رہی تھیں اور جذبات نے غلط رُخ اختیار کر لیا تھا، افراد تھے مگر جماعت نہ تھی، اوراق تھے مگر کتاب نہ تھی، زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی اس لیے عام اور مفید حرکت نہ تھی۔

ایسے وقت میں ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی جو دین، علم اور صلاحیت کے اس سرمایہ سے وقت پر کام لے اور اس کو ٹھکانہ لگائے، جو خانقاہوں کا حال اور درس گاہوں کا قال، وہاں کی حرارت اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کر دے، جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں اور دوڑتے بھاگتے مدرسے، گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں اور محرابوں میں مجاہد، جو دلوں کی بجھتی انگیٹھیاں دوبارہ دہکا دے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرما دے اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک طلب اور دین کی تڑپ کی آگ لگا دے جو مسلمانوں کی خداداد صلاحیتوں کو ٹھکانہ لگائے، جس کی نگاہ دوررس اور جس کی ذات مسیحانفس کسی بے کار چیز کو بھی بے کار نہ سمجھے، جو امت کے ذخیرہ کے ہر دانہ اور خیابان کے ہر تنکے سے پورا پورا کام لے، جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو اس کو اسلام کی اصطلاح میں امام کہتے ہیں اور یہ مقام تیرہویں صدی کے تمام اہل کمال اور مشاہیر رجال کی موجودگی میں سید صاحبؒ کو حاصل تھا، جن کے چیدہ چیدہ حالات و حکایات ان کی عزیمت و جہاد، فیض و تاثیر اور انقلاب انگیزی کے جستہ جستہ واقعات اس کتاب میں پیش کیے گئے ہیں۔[1]

[1] از مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ماخوذ از "جب ایمان کی بہار آئی"

دوسرا باب

خاندان، ولادت، تعلیم و تربیت

خاندان و نسب

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد ذوالنفس الزکیہ شہیدؒ کی بارہویں پشت میں سید رشید الدین کے فرزند رشید شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی ایک عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و تقویٰ کی دولت کے ساتھ ساتھ شجاعت کا جوہر اور جہاد کا جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ غزنی کے راستہ سے مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان آئے، مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کڑہ مانک پور کو فتح کرنے کے بعد اس کو اپنا مستقر بنایا، وہیں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے، شیخ الاسلام سید قطب الدین کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے سیادت و امارت کے ساتھ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی دولت سے مالا مال کیا، شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی کی اولاد میں جلیل القدر علماء و مشائخ پیدا ہوئے، جن میں ایک حضرت سید شاہ علم اللہؒ

گذرے ہیں جو عہد عالمگیری کے مشہور عالم ربانی اور صاحب سلسلہ شیخ تھے[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے مجاز تھے، نہایت متقی اور متبع سنت بزرگ تھے ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء میں وفات پائی اور اپنے قائم کیے ہوئے دائرہ واقع رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ ان کی پانچویں پشت میں ہیں سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت سید احمد شہیدؒ بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن حضرت شاہ سید محمد ہدیٰؒ ابن حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاؤ الدین بن سید قطب الدین محمد ثانی بن سید صدر الدین ثانی بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن قاضی سید رکن الدین ابن امیر سید نظام الدین بن سید الساوات امیر کبیر سید قطب الدین محمد الحسنی الحسینی المدنی بن سید رشید الدین احمد المدنی ثم الغزنوی بن سید یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن سید ابی الحسن علی بن ابی جعفر محمد بن سید قاسم بن سید ابی محمد عبد اللہ بن سید حسن الاعور الجواد نقیب کوفہ بن سید محمد الثانی بن سید ابی محمد عبد اللہ الاشتر الکابلی الشہید بن سید ابی القاسم محمد ذی النفس الزکیہ الشہید بن سید عبد اللہ المحض الشہید بن سید حسن المثنیٰ بن سیدنا حسن السبط الاکبر ابن سیدنا ابی الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

ولادت

حضرت سید احمد شہیدؒ دائرہ حضرت شاہ علم اللہ میں صفر ۱۲۰۱ھ مطابق نومبر

[1] حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ از مولانا محمد الحسنیؒ۔

۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے[1]۔ والد کا نام سید محمد عرفان اور دادا کا نام سید نور تھا، چار سال کے ہوئے تو مکتب میں بٹھائے گئے مگر باوجود کوشش آپ کی طبیعت علم کی طرف راغب نہ ہوئی آپ کو بچپن ہی سے مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا، سن بلوغ کو پہونچے تو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ انگشت بدنداں رہ گئے، اسی کے ساتھ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی کا ذوق بہت بڑھا ہوا تھا، اور ساتھ ہی ورزش اور مردانہ کھیلوں کا بہت شوق تھا پانچ پانچ سو ڈنڈ لگاتے اور تیس تیس سیر کے مگدر ہلاتے، پیرنے اور پانی میں دیر تک ٹھہرنے کی بھی مشق بڑھائی تھی۔

شوق جہاد اور والدہ کا ایثار

حضرت سید احمد شہید اوائل عمر ہی سے شوق جہاد سے لبریز دل رکھتے تھے اور ایسی مائیں بھی دنیا میں کم ہوں گی جو بیٹے کو مرنے کے لیے نہایت خوشی سے رخصت کریں۔ منظورہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں جنگ ہو گئی سید صاحب نے جنگ میں جانے کی آمادگی ظاہر کی لیکن کھلائی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا کہ بی بی تمھیں ضرور احمد سے محبت ہے مگر میری طرح نہیں ہو سکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا، جاؤ بھیا اللہ کا نام لے کر جاؤ مگر خبردار پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ تمھاری صورت نہ دیکھوں گی

تلاش معاش میں لکھنؤ کا سفر

جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو والد ماجد مولانا سید محمد عرفان کا انتقال ہو گیا حالات

[1] مخزن احمدی

کا تقاضا تھا کہ آپ ذمہ دارانہ زندگی میں قدم رکھیں اور تحصیل معاش کی فکر کریں۔ تقریباً سولہ سترہ سال کی عمر میں آپ اپنے عزیزوں کے ساتھ فکر معاش میں لکھنؤ چلے، لکھنؤ رائے بریلی سے انچاس میل ہے، سواری صرف ایک تھی، جس پر سب باری باری بیٹھتے۔ مگر سید صاحبؒ اپنی باری کے وقت دوسرے عزیز کو باصرار سوار کرا دیتے اور خود پیدل چلتے رہتے اسی طرح راستہ بھر ساتھیوں کی خدمت کرتے ہوئے لکھنؤ پہونچے۔

اس وقت نواب سعادت علی خاں خلف نواب شجاع الدولہ کا عہد تھا، نواب ایک بلند حوصلہ، منتظم فرماں روا تھے۔ اس کے باوجود صاحب جاگیر اشخاص اور بڑے تاجروں کے سوا بیروزگاری اور پریشانی عام تھی قحط کا زمانہ تھا، لکھنؤ پہونچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں مصروف ہوگئے، لیکن اس عام پریشانی کے دور میں روزگار عنقا تھا، باوجود محنت اور دن بھر کی مشغولیت کے بھی قوت لایموت بھی مشکل سے میسر آتی، صرف سید صاحبؒ ایک امیر کے یہاں مقیم تھے جو اُن کے خاندان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے، امیر کے یہاں سے جو کھانا آتا، آپ اپنے ساتھیوں کو کھلا دیتے اور خود دال دلیہ پر گذر کرتے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خدمت میں

لکھنؤ میں اسی حال میں چار ماہ گذر گئے، ایک بار والی سلطنت شکار کے لیے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا، اس کے ساتھ وہ امیر بھی گئے، جن کے یہاں سید صاحبؒ مہمان تھے سید صاحب بھی اپنے عزیزوں کے ہمراہ امیر کے ساتھ گئے اور خدمت خلق میں مصروف رہے، ساتھیوں کو اس سفر میں سخت تکلیفیں اٹھانی پڑیں، راستہ بھر سید صاحبؒ اپنے ہمراہیوں کو دہلی چلنے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلاتے

رہے لیکن جب کوئی تیار نہیں ہوا تو خود تن تنہا دہلی روانہ ہو گئے اور ساتھیوں کو اطلاع نہ کی۔

محمدی کا جنگل نہایت خطرناک اور درندوں کے لیے مشہور تھا، اس لیے سب کو فکر ہوئی کہ نصیب دشمناں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا اور عزیزوں پر سخت رنج والم طاری ہوا چوتھے روز محمدی کی طرف سے ایک شخص آیا اور اس سے حضرت سید صاحبؒ کے دہلی جانے کا حال معلوم ہوا اور سب کو اطمینان ہوا۔

چلتے چلتے آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے، راستہ میں ایک مسجد میں قیام کیا، وہاں ایک شخص نے صورت دیکھ کر حالات پوچھے اور ہاتھ منھ دھلوایا، پاؤں سے خون جاری تھا، اس پر مہندی اور ببول کے پتوں کا لیپ کیا اور آپ کو سوار کرا کر دہلی تک پہونچا دیا۔

دہلی پہونچ کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور آپ کے نامور والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سید صاحبؒ کے خاندان کے بزرگوں سے روحانی و علمی تعلقات تھے، مصافحہ اور معانقہ اور تعارف کے بعد بڑی خوشی کا اظہار کیا اور مراتب عالیہ پر سرفراز ہونے کی خوش خبری دی اور اپنے بھائی حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ بھائی مولوی عبدالقادر صاحب سے کہہ دینا کہ اس عزیز مہمان کی قدر کریں اور ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں، ان کا مفصل حال ملاقات کے وقت بیان کروں گا، چنانچہ حضرت سید صاحب حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی خدمت میں اکبرآبادی مسجد میں رہنے لگے۔

سلام مسنون کا رواج

جب سید صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں پہلی بار

آپ نے دیکھا کہ آپ کی دائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں، اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر، سید صاحبؒ ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے، اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا، آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فرزند! آج شب قدر ہے، یاد الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کر د"۔ اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔

صاحب "مخزن" لکھتے ہیں کہ اس کے بعد سید صاحبؒ بارہا فرمایا کرتے تھے:

"اس رات کو اللہ کے فضل سے واردات عجیب و واقعات غریب دیکھنے میں آئے، تمام درخت اور دنیا کی ہر چیز سجدے میں تھی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول، مگر ان ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی، اس وقت فنائے کلی اور استغراق کامل مجھے حاصل ہوا۔ صبح میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ نے مسرور ہو کر فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مراد کو پہنچ گئے، اس وقت سے ترقیات و علو درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔"

کچھ عرصہ کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ سے اجازت و خلافت لے کر وطن رائے بریلی واپس ہوئے اور دو سال وطن میں قیام کیا، اور سید محمد روشن کی صاحبزادی بی بی زہرہ سے نکاح فرمایا۔

تیسرا باب

دعوت و اصلاح و تربیت جہاد

نواب امیر خان کے لشکر میں

اللہ تعالیٰ نے سید صاحبؒ کو جس عظیم مقصد کے لیے تیار کیا تھا اور جہاد کا جو جذبہ آپ کو ملا تھا، اور آپ نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھا تھا، ان کی تکمیل، مزید پختگی اور عملی مشق و تربیت کی متقاضی تھی، اور اس کے لیے کسی محاذ جنگ کی ضرورت تھی، چنانچہ ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں آپ نے دہلی کا دوسرا سفر کیا، دہلی میں چند روز قیام کرنے کے بعد نواب امیر خاں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

نواب امیر خاں سنبھل (روہیلکھنڈ) کے ایک حوصلہ مند افغانی النسل سردار تھے، جنہوں نے اپنے گرد حوصلہ مند، مہم جو اور وفادار ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع کر لی تھی اور ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ والیان ریاست کو بھی ان کی مدد کی ضرورت پڑتی تھی اور انگریز بھی اس ابھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت سید صاحب نے نواب امیر خاں کو ایک با مقصد جد و جہد اور انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے خطرہ کا مقابلہ کرنے کی راہ پر لگانے کی بڑی کوشش کی۔

kalahazrat@gmail.com

حضرت سید صاحبؒ امیر خاں کے لشکر میں چھ سال رہے، آپ اپنی عبادات و ریاضات اور سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح و ارشاد میں مشغول رہے، آپ کی توجہ محنت اور کوشش سے پورا لشکر دعوت و تبلیغ کا وسیع میدان بن گیا اور سپاہیوں کی بڑی اصلاح ہوئی، خود امیر خاں کی زندگی میں بڑا انقلاب آیا۔

دہلی واپسی اور تبلیغی دورے

تقریباً چھ سال قیام کے بعد جب نواب امیر خاں نے بعض حالات سے مجبور ہو کر اور اپنے بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے انگریزوں سے صلح کرنی چاہی تو سید صاحب نے اس کی شدید مخالفت کی اور متعدد بار امیر خاں کو اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ کفار بڑے دغا باز ہیں، کچھ آپ کے واسطے تنخواہ یا جاگیر وغیرہ مقرر کر کے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجیے پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی، لیکن نواب صاحب انگریزوں سے ملنا ہی مصلحت سمجھتے تھے، انھوں نے صلح کی بات شروع کی تو سید صاحبؒ نے فرمایا، اچھا آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں، نواب صاحب نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر سید صاحبؒ نے نہ مانا اور لشکر سے رخصت ہو گئے۔

جب نواب امیر خاں نے انگریزوں سے معاملہ کر کے ٹونک کی ریاست قبول کر لی تو آپ دہلی تشریف لے آئے، اس مرتبہ دہلی میں آپ کی طرف غیر معمولی رجوع ہوا، اسی قیام کے دوران خاندان ولی اللہی کے دو ممتاز افراد اور جید عالم مولانا عبد الحئیؒ اور مولانا محمد اسماعیلؒ آپ سے بیعت ہوئے، ان حضرات کے بیعت ہونے کے بعد خاندان ولی اللہی کے دوسرے ممتاز افراد جن میں مولانا محمد یوسف نبیرۂ حضرت شاہ اہل اللہ اور مولوی وجیہ الدین

حکیم مغیث الدین، حافظ معین الدین وغیرہ مع اہل خاندان مرید ہوئے۔

ان حضرات کے بیعت ہونے سے دہلی کے عوام و خواص علماء اور مشائخ کا ایسا رجوع ہوا کہ شاید و باید روز بروز آپ کی شہرت بڑھتی گئی اور مختلف مقامات سے آپ کی خدمت میں کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی اجازت سے آپ مولانا محمد اسماعیلؒ اور مولانا عبد الحئیؒ کو ہمراہ لے کر تبلیغی و اصلاحی دورے کے لیے نکلے، سب سے پہلے مظفر نگر اور سہارنپور کے مردم خیز اور تاریخی قصبات اور مسلمان شرفاء و علماء کے مرکزوں گڑھ مکتیشور اور دوآبہ کے علاقہ میں رام پور، بریلی، شاہجہاں پور اور دوسرے مقامات کا دورہ کیا۔

اس سفر میں جس کثرت کے ساتھ مسلمانوں نے آپ کی تشریف آوری سے دینی نفع اور خیر و برکت حاصل کی اس کی مثال نہیں ملتی۔

دہلی سے چل کر پہلی منزل غازی آباد ہوئی، شہر کے دو سو ممتاز مسلمانوں نے شہر سے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور بکثرت آدمیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت و توبہ کی، وہاں سے چل کر آپ مراد نگر تشریف لائے، چند روز قیام کر کے میرٹھ تشریف لائے، شہر سے دو کوس باہر آ کر قاضی حیات بخشؒ نے ایک مجمع کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور بیعت سے سرفراز ہوئے دوسرے روز بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا، اور بکثرت لوگوں نے فیض باطنی حاصل کیا، روزانہ یہ عالم ہوتا کہ ظہر سے عشاء تک بیعت کرنے والوں کا ہجوم رہتا، جب آپ میرٹھ سے رخصت ہوئے تو روانگی کے وقت ہر کہ و مہ موجود تھا اور سینکڑوں آدمی رقت و زاری سے بے قابو تھے۔

میرٹھ سے چل کر آپ سردھنہ پہونچے اور وہاں سے بڑھانہ تشریف لائے اور وہاں

مولانا عبدالحی کے مکان پر قیام فرمایا، اور قصبہ کے علماء و شرفاء اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے بیعت کی، تھانہ سے چل کر پھلت پہونچے، قصبہ کے باہر چالیس پچاس اشخاص استقبال کے لیے کھڑے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ تین روز سے ہم منتظر ہیں، آپ شیخ ولی محمد کے مردانہ میں مقیم ہوئے۔ نماز عصر کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، قصبہ میں سترہ روز قیام کے بعد آپ روانہ ہوئے، قصبہ کے مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔

پھلت سے روانہ ہو کر آپ مظفر نگر پہونچے، عمائدین شہر نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، اور کثیر تعداد میں مسلمانوں نے بیعت کی۔

مظفر نگر سے آپ دیوبند تشریف لے گئے، دس دن قیام رہا، قصبہ و دیہات کے مسلمان بکثرت بیعت ہوئے، اور شرک و بدعات سے توبہ کی، اور آپ نے مولوی فریدالدین، مولوی بشیر اللہ، قاضی عظیم اللہ، سید محمد حسین اور مولوی شمس الدین کو خلافت نامہ لکھکر دیا اور ان کو عام مسلمانوں کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی۔

دیوبند سے روانگی ہوئی تو کثرت سے لوگ ایک منزل تک مشایعت کے لیے آئے، بہت سے لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔

قصبہ شیخ پور اور موضع سویری ہوتے ہوئے آپ سہارنپور تشریف فرما ہوئے۔ شہر کے باہر ایک جم غفیر استقبال کے لیے موجود تھا، وہاں حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی نے جو بڑے مشائخ میں تھے، اپنے مریدوں کے ساتھ بیعت کی۔

وہاں مولانا عبدالحی صاحب کو وعظ کا حکم ہوا، مولانا نے تعزیہ داری، قبر پرستی اور شرک و بدعت کی دوسری باتوں کے خلاف وعظ کہا اور کھول کھول کر ان باتوں کی برائی بیان کی اور ان سے منع کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ سینکڑوں لوگوں نے ان مشرکانہ افعال سے توبہ کی

تعزیے توڑ ڈالے اور چبوترے کھود ڈالے۔

سہارنپور سے حضرت سید صاحب انبیٹھ، نانوتہ، کاندھلہ ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے، کچھ عرصہ وہاں قیام فرما کر وطن رائے بریلی مراجعت کی،

آپ کا یہ سفر باران رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گذرتا تھا سرسبزی و شادابی بہار و برکت چھوڑ جاتا تھا، دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ نے تھوڑا سا قیام کیا وہاں مساجد میں رونق آگئی، اللہ اور رسول کا چرچا ایمان میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا جوش اور شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہوگئی اور رفض و تشیع کا خاتمہ ہوگیا۔

وطن میں

اس دورہ کے بعد آپ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے یہ دن قحط اور خشک سالی کے تھے، ہر طرف پریشانی، فاقہ، غربت اور افلاس کا دور دورہ تھا اس حال میں بھی آپ پر سو آدمیوں کے خورد و نوش کی ذمہ داری تھی لیکن در و دیوار پر سکینت الٰہی اور توکل کی فضا چھائی ہوئی تھی، آپ کی صحبت میں اس وقت ہندوستان کے بڑے بڑے علماء و صوفیاء اور اہل سجادہ حاضر تھے اور ہر ایک باوجود اپنے علم و فضل کے آپ سے استفادہ کرتا، اسی طرح آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدمت خلق کے کاموں میں شریک رہتے، یہ چھوٹا سا گاؤں (دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ) ایک ہی وقت میں ایک آباد اور معمور خانقاہ، ایک دینی مدرسہ، اور میدان جہاد بنا ہوا تھا، یہ زمانہ بڑے ذوق و شوق کیف و مستی، لذت و حلاوت اور جفاکشی کا وطن تھا۔

ایک تبلیغی دورہ

اسی قیام کے دوران آپ نے الٰہ آباد، بنارس، کانپور اور سلطان پور کا سفر کیا تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جوق در جوق لوگ ملتے اور بیعت ہوتے۔

رائے بریلی سے چل کر پہلی منزل سلون ہوئی، سلون میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی ایک مشہور خانقاہ ہے جس وقت حضرت سید صاحب سلون تشریف لے گئے تو شاہ کریم عطاؒ سجادہ نشین تھے۔ اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے یہ سب رسوم و مناظر دیکھے، ملاقات کے وقت حضرت سید صاحب نے شاہ کریم عطاؒ سے خود گفتگو فرمائی، آپ نے فرمایا:

"آپ لوگ درویش و ہادیٔ دین ہیں، آپ کے اقوال و افعال عوام الناس کے نزدیک حجت اور دستاویز ہوتے ہیں، یہ جو ہر سال آپ عرس کرتے ہیں اور اس کے اندر جو منہیات شرعیہ ہوتے ہیں ازراہ انصاف فرمایا جائے کہ یہ طریقہ سنت سنیہ کے موافق ہے یا مخالف، اگر موافق ہے فہو المراد، ورنہ اس کو ترک کر دینا چاہیے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس کا جواب پھر دیا جائے گا۔ دوسری ملاقات میں شاہ صاحب نے اعتراف فرمایا کہ ان اعمال و بدعات کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ان کا درجہ صرف رسوم کا ہے، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سلون سے روانہ ہو کر آپ نے اہلا دگنج میں قیام کیا، دو تین روز قیام فرمایا، پھر الٰہ آباد تشریف فرما ہوئے۔ شہر کے علماء، صلحاء اور روساء نے بڑی تعداد میں بیعت کی حضرت شاہ اجمل

متوفی ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ نے بڑا اکرام کیا اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کیے۔

الٰہ آباد سے روانہ ہو کر بنارس پہنچے دور ہی سے حضرت سید صاحب نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اس شہر میں کفر و شرک کی تاریکی بہت معلوم ہوتی ہے، شہر میں آپ کے داخل ہوتے ہی ہندو سادھوؤں کے گیان دھیان میں خلل واقع ہوا ان کے گرو نے اپنے چیلوں سے کہا کہ اس شہر میں ایک سید اترے ہیں ان کی نسبت سے ہمارا کاروبار درہم برہم ہو گیا۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کسی روز شہر میں وعظ فرمایا جس سے بندگانِ خدا کی بڑی اصلاح ہوئی اور کفر و شرک اور بدعات سے توبہ کی توفیق ہوئی، اور کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، بنارس کے زمانۂ قیام میں آپ اپنے ساتھیوں کو ذکر سری اور جہری کی بہت تاکید فرماتے تھے تاکہ اس شہر کی ظلمت دور ہو۔

بنارس سے کوچ فرما کر آپ سلطان پور کے اطراف میں رونق افروز ہوئے اور بڑی تعداد میں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

لکھنؤ کا تبلیغی و اصلاحی سفر

لکھنؤ کی چھاؤنی میں پٹھانوں کی ایک اچھی خاصی آبادی تھی جو حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگوں اور خود آپ کی معتقد تھی، جن میں خاص طور پر نواب فقیر محمد خاں گویا قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات کی خواہش پر اور نفع و اصلاح کی توقع پر آپ نے ایک سو ستر (۱۷۰) آدمیوں کے قافلے کے ساتھ لکھنؤ کا سفر کیا۔ آپ کے اس سفر میں مولانا شاہ محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی بھی ساتھ تھے۔ یہ زمانہ نواب غازی الدین حیدر کی بادشاہی اور نواب معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا تھا۔

اس دور میں لکھنؤ میں دولت ستانی، بدنظمی، حق تلفی اور تعیش کا دور دورہ تھا، عیش و عشرت، لہو و لعب، ہنسی مذاق کا تمام گلزار بہار پر تھا اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ، اودھ کے شرفاء، علماء اور اہلِ حرفہ کا مرجع اور مرکز بنا ہوا تھا، اہلِ شہر میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں اثر پذیری کی صلاحیت بھی تھی، دین کی عظمت و وقعت بھی تھی، قصبات اور شریف خاندانوں کا جوہر بھی لکھنؤ منتقل ہو گیا تھا، انسانوں کے اس ذخیرہ میں صدہا کام کے موتی تھے جو گویا ایک نظر کیمیا اثر کے منتظر تھے۔

حضرت سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء لکھنؤ پہونچ کر قندھاریوں کی چھاونی میں اُترے، دوسرے روز اکبری دروازہ پر سید میر سکین کی حویلی میں قیام فرما ہوئے۔ پہلے روز ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے صاحبزادہ مولوی عبدالرب صاحب نے دعوت کی، چند روز قیام کے بعد جگہ کی تنگی کی وجہ سے ٹیلہ شاہ پیر محمدؒ کے قریب شیخ امام بخش سوداگر کی حویلی میں قافلہ کا قیام ہوا۔

حضرت سید صاحب کے لکھنؤ پہونچتے ہی لوگوں کا ہجوم اور رجوع ہوا، صبح سے رات گئے تک لوگ موجود رہتے، روزانہ مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ ہوتا اور بکثرت لوگ وعظ میں شریک ہوتے اور تائب ہوتے۔

علماء اور مشائخ کی بیعت

ایک جمعہ کو مجلس وعظ میں مولانا محمد اشرف، مولانا مخدوم صاحب، مولوی امام الدین بنگالی، مولوی امام الدین لکھنوی، مولوی عبدالباسط، مولوی ابوالحسن نصیر آبادی، فرنگی محل کے مولوی عبداللہ و مولوی رحیم اللہ، مولوی نجیب اللہ بنگالی، شاہ یقین اللہ اور ان کے

صاحبزادہ مولوی عبدالوہاب اور میر امید علی یہ سب حضرات موجود تھے، وعظ کے بعد سب بیعت سے مشرف ہوئے۔

جرائم پیشہ افراد کی توبہ و اصلاح

امان اللہ خاں اور ان کے بھائی سبحان خاں ایک روز سید صاحبؒ کی ملاقات کو آئے، لوگوں نے جب ان کو آتے دیکھا تو کہا کہ حضرت یہ لوگ بڑے بدمعاش اور مجرم ہیں، آپ نے فرمایا خبردار ان کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بُرے کام چھڑوا کر ان کو نیک کاموں کی توفیق دے اور موت بھی ان کی اچھی ہو۔

ان لوگوں نے آکر آپ سے مصافحہ و معانقہ کیا، آپ نے ان کو بڑے اخلاق اور احترام کے ساتھ بٹھایا اور دیر تک متوجہ ہو کر ان کی طرف دیکھا، جب ان لوگوں نے جانا چاہا تو حضرت سید صاحبؒ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کیا پیشہ کرتے ہو؟ انھوں نے بہت عذر کیا کہ آپ اس بات کو نہ پوچھیں مگر آپ کے دوبارہ پوچھنے پر انھوں نے اپنی چوری، ڈاکہ زنی اور تمام باتیں صاف صاف بتا دیں کہ اب تک ہم یہ سب کرتے تھے مگر آج سے آپ کے دستِ مبارک پر توبہ کرتے ہیں اور بیعت ہونے کی درخواست کی، حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا آج موقوف رکھو جمعہ کو تمہیں بیعت کریں گے، جمعہ کے روز نماز کے بعد دونوں بیعت سے مشرف ہوئے اس کے چند دنوں کے بعد ان کے گروہ کے بقیہ تین آدمی غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں، اور صدر خاں بھی تائب اور بیعت سے مشرف ہوئے اور اپنا گھر بار، مال و اسباب سب ترک کر دیا تاکہ مال حرام نہ کھانا پڑے اور فقیر محمد خاں صاحب کی سرکار میں دس روپیے ماہانہ پر ملازم ہو گئے۔

kalahazrat@gmail.com

اہلِ حکومت کو تشویش

مولانا عبدالحی صاحبؒ کے ہر وعظ میں دو چار اہلِ تشیع توبہ کر کے اہلِ سنّت والجماعت میں داخل ہو جاتے اس کی شکایت نواب معتمد الدولہ سے کی گئی، نواب صاحب نے چوب دار بھیج کر حضرت سید صاحبؒ سے کہلوایا کہ وعظ و نصیحت میں کوئی حرج نہیں، مگر یہاں حکومت اہلِ تشیع کی ہے، تبدیلیٔ مذہب سے فساد کا اندیشہ ہے، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم کلمۂ حق بیان کرتے ہیں، جو کوئی طالب حق آئے گا متاثر ہوگا ہم اس کو ہرگز نہ روکیں گے، ہم آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہیں، نواب معتمد الدولہ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ کو کوئی نقصان پہونچا تو ہم پر ذمہ داری نہیں ہے۔ سید صاحب نے اس کا بھی کوئی اثر نہ لیا، یہ دیکھ کر نواب صاحب نے فقیر محمد خاں صاحب کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر حاکم وقت دو چار توپیں ٹیلہ شاہ پیر محمد کے سامنے لگوا کر اڑوا دے تو آپ کیا کر سکتے ہیں، سید صاحبؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ نواب معتمد الدولہ دو چار توپوں سے کیا ڈراتے ہیں، اگر سو توپیں لگا دیں گے تو کیا پرواہ خدا میرا مددگار ہے ان کے کرنے سے کچھ نہ ہوگا، اگر وہ یہ کہتے کہ تم ہماری رعیت ہو، ہمارے شہر سے چلے جاؤ تو کچھ عذر نہ تھا" لیکن کلمۃ الخیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو" یہ بات اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔ یہ تمام گفتگو سن کر نواب معتمد الدولہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس بات کے خواہاں ہوئے کہ حضرت سید صاحب اور ان کے ہمراہیوں کی دعوت کریں، جب فقیر محمد خاں دعوت کا پیغام لے کر حضرت سید صاحب کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے یہ سُن کر تبسّم فرمایا۔

دوسرے روز نواب معتمد الدولہ نے سواریاں بھیجیں اور حضرت سید صاحبؒ مع رفقا تشریف لے گئے، مولانا عبدالحی صاحب نے نواب صاحب کی مجلس میں وعظ فرمایا، مجلس برخاست

ہوئی تو نواب صاحب نے عرض کیا کہ میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ حضرت سید صاحب نے فرمایا اس وقت بڑی دیر ہو گئی ہے جاتے وقت ملاقات کر کے جاؤں گا۔

جب سید صاحب رائے بریلی روانہ ہونے لگے تو نواب معتمد الدولہ کی ملاقات کو گئے، نواب ممدوح سے ملاقات ہوئی، دو گھنٹے گفتگو رہی۔ نواب معتمد الدولہ نے کہا کہ حضرت میں آپ کے سامنے بُرے کاموں سے توبہ کرتا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا توبہ سب بُرے کاموں سے بہتر ہے، مگر جو آپ بے چارے غریبوں کے مکانات زبردستی کھُدوا دیتے ہیں سب سے پہلے اس سے توبہ کرنی چاہیے، یہ مردم آزاری سب سے بُرا کام ہے۔ نواب نے اقرار کیا کہ انشاء اللہ کسی کا مکان اس کو راضی کیے بغیر اور واجبی قیمت دیے بغیر نہ کھُدے گا، رخصت ہوتے وقت حضرت سید صاحب نے نواب صاحب موصوف کو ایک عمدہ گھوڑی عطا کی، نواب صاحب نے بہت عذر کیا مگر حضرت سید صاحب نے فرمایا نہیں یہ تو آپ کو قبول کرنی ہوگی۔

رائے بریلی کا قیام اور بعض اہم اصلاحی کام

لکھنؤ سے واپسی پر تقریباً ایک برس رائے بریلی میں قیام رہا، اس مدت میں آپ نے بعض اصلاحی اقدامات کیے اور جہاد کی مشق و تربیت کی فکر کی۔ آپ اکثر اسلحہ لگاتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے" جن کو تندرست و توانا دیکھتے، فرماتے یہ ہمارے کام کے ہیں پیرزادے لوگ ہمارے کام کے نہیں۔

جب فنون حرب میں مشغولی بڑھی یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی تو رفقاء نے حضرت سید صاحبؒ سے عرض کیا، تو سید صاحبؒ نے فرمایا:

"ان دنوں اس سے افضل کام ہم کو درپیش ہے اسی میں ہمارا دل مشغول ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیاری ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیل علم سلوک اس کام کے تابع ہے۔ اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات عبادت و ریاضت میں گزارے، نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں میں ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اڑائے تاکہ کفار کے مقابلہ میں بندوق لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا، اور وہ کام (تصوف و سلوک) اس وقت کا ہے جب اس کام (تیاری جہاد) سے فارغ البال ہو، اب جو پندرہ سولہ روز سے نماز یا مراقبہ میں دوسرے انوار کی ترقی معلوم ہوتی ہے وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے۔ تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں یہی بہتر ہے۔"

بیوہ کا نکاح

بیوہ کا نکاح ثانی ہندوانہ رسم و رواج کے اثر سے مسلمانوں میں بھی بڑے ننگ و عار کی بات سمجھا جاتا تھا، اور اس کو خاندان کے لیے ذلت اور شرافت و پاکدامنی سے گری ہوئی بات سمجھا جاتا تھا۔

حضرت سید صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا ہے، بہت سے آدمی مل کر اسے اٹھانا چاہتے ہیں مگر اٹھا نہیں پاتے آپ کی بیوہ بھاوج بھی موجود ہیں، سید صاحب ان سے کہتے ہیں اگر آپ بھی ہاتھ لگائیے تو اس کو گھر تک پہونچا دیتے ہیں۔

اول تو انھوں نے بوجھل ہونے کی وجہ سے عذر کیا مگر آپ کے اصرار سے منظور کرلیا اور دونوں نے مل کر اسے گھر پہونچا دیا۔

صبح نماز کے بعد حضرت سید صاحبؒ نے مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل سے خواب بیان فرمایا اور تعبیر دینے کو کہا۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ آپ ہی تعبیر بھی دیجیے، آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی تعبیر یہ ڈالی ہے کہ ایندھن جو کھانا پکانے کا ذریعہ ہے، انسان کی زندگی کا سبب ہے۔ زندگی دو طرح کی ہوتی ہے، دنیوی زندگی اور اخروی زندگی۔ اتباع سنت ایسا طعام روحانی ہے جس سے حیات اخروی وابستہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بعض احکام شریعت جو قرآن میں منصوص اور دیارِ عرب اور مرکزِ اسلام میں رائج ہیں ہمارے ملک میں خصوصاً شرفا اور خاندانی لوگوں میں بالکل متروک بلکہ سخت معیوب ہیں اور لوگ ان کے منافع و برکات کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے، اور ہندوستانی رسم و رواج کے پابند ہیں، انھیں شرعی احکام میں سے ایک اہم حکم بیوہ کا نکاح ثانی ہے، جس کے متعلق قرآن شریف میں صاف صاف موجود ہے:

وانکحوا الایامیٰ منکم والصّٰلحین من عبادکم وامائکم۔	اور تم میں جو بیوہ ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور تمھارے غلام اور لونڈیوں میں جو کہ لائق ہو اس کا بھی۔

انشاء اللہ اس سنت کا اجرا اول اپنی ذات سے اور اپنے خاندان سے کروں گا، جب یہاں سے اس کی ابتدا ہوجائے گی، پھر اپنے دوستوں اور اہل تعلق سے اس کا

مطالبہ کروں گا، قرآن شریف میں آتا ہے" أتامرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم"

یہ فرما کر آپ گھر تشریف لے گئے، اور ان تمام عورتوں کو جمع کیا جن کا آپ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا، اور ان سے ارشاد فرمایا:

" اسلام یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں، یا گائے کا گوشت کھائے یا ختنہ کرائے، یا مسلمانوں کے مراسم میں شریک ہو اور ان کی مجلسوں میں بیٹھے۔ اسلام یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کرے، یہاں تک کہ وہ اپنے محبوب بچے کو حضرت ابراہیمؑ کی طرح خوشی خوشی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور منہیات سے لے کر مکروہات تک سے اس طرح اجتناب و احتراز کرے کہ اگر ان کا خیال بھی دل میں پیدا ہو تو چالیس روز تک استغفار کرے، انہی چیزوں میں سے بیواؤں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے، خصوصاً وہ بیوہ کہ جوان ہو، اس کا نکاح ثانی کرنا ایسا بڑا گناہ سمجھنا جیسا خدا کے یہاں کفر و شرک ہے اور جو بیوہ اپنا نکاح کرے، اس کو بازاری عورت اور بے حیا سمجھنا اور قحبہ کا خطاب دینا اور اس کو ملعون و بدنام کرنا اور ساری عمر بیوہ کو زندہ در گور کر دینا اسی قبیل سے ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات کہاں تک پہونچتی ہے، ان کو نہیں معلوم کہ حضرت صدیقہ رضؓ کے سوا تمام امہات المومنین بیوہ تھیں۔"

آپ نے یہ وعظ ایسے جوش و اثر سے کہا کہ اہلِ مجلس میں سے اکثر مدہوش ہو گئے اور زار و قطار روئے۔ اسی طرح آپ نے ایک دن اور تقریر فرمائی اور اپنی خالہ صاحبہ سے جو مولانا سید محمد اسحٰق مرحوم کی بیوہ کی پھوپھی تھیں کہا کہ آپ کسی طرح والدۂ اسمٰعیل کو

اس سنت کے احیاء، اور نکاح ثانی کے لیے آمادہ فرمائیں۔ آپ خوب جانتی ہیں کہ میں یہ رشتہ حظِ نفس کے لیے نہیں کرتا، محض سنّت کے جاری کرنے اور ہندوستان کی ایک رسم جاہلیت کو مٹانے کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔ آخر کار اعزّہ اور مخدومہ راضی ہو گئیں اور ایک مدت دراز کے بعد ہندوستان میں شرفاء کے خاندان میں یہ مبارک تقریب ہوئی۔

حضرت سید صاحبؒ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور اپنے خلفاء کے نام شاہ اسمٰعیل صاحب سے خطوط لکھوائے، جس میں اس واقعہ کی اطلاع اور اس سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔

نصیر آباد کا قضیہ

اس درمیان اطلاع ملی کہ نصیر آباد کے شیعوں نے فیصلہ کیا ہے کہ علی الاعلان تبرا پڑھیں گے اور اہلِ سنت والجماعت سے کہہ دیا کہ اگر تمھاری دل آزاری ہوتی ہو تو قصبہ چھوڑ کر چلے جاؤ۔ نصیر آباد کے لوگوں نے حضرت سید صاحبؒ سے بہت لجاجت سے درخواست کی کہ آپ تشریف لائیں اور مجرموں کی سرکوبی فرمائیں۔ حضرت سید صاحبؒ اپنے رفقاء کے ساتھ نصیر آباد روانہ ہوئے، جب قصبہ میں داخل ہوئے تو شیعوں نے گھبرا کر صلح کی درخواست کی اور جان و مال کی امان طلب کی، حضرت سید صاحب نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور آئندہ کے لیے وعدہ لیا کہ کوئی شر و فساد نہ کریں گے۔

چوتھا باب

حج کا ارادہ اور اس کی تبلیغ

اس زمانہ میں اسلام کے دوسرے شعائر کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ حج جیسا اہم رکن علماء کے فقہی عذر کی بنا پر کہ راستے محفوظ نہیں ہیں اس وجہ سے من استطاع الیہ سبیلا کی شرط پوری نہیں ہوتی اس لیے حج کرنا و لاتلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ کی مخالفت ہے، بالکل متروک یا بہت ہی کم ہو گیا تھا، بعض علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کے ذمہ سے حج کی فرضیت ساقط ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا، یہ ایک بہت بڑی دینی تحریف اور فتنہ تھا جس کا بروقت استیصال بہت ضروری تھا۔

حضرت سید صاحبؒ نے اس فتنہ کا سدباب کیا اور اس کی فرضیت کی زور شور سے تبلیغ کی اور اس کو زندہ کرنے کے لیے عملی قدم اٹھانا ضروری سمجھا، اس بنا پر آپ نے حج کے سفر کا عزم کیا اور اس کا اعلان کیا کہ جو بھی چلنا چاہے ہمارے ساتھ چلے، مختلف مقامات پر خطوط تحریر فرمائے، آپ کے اعلان حج اور مکاتیب سے حج کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ پروانوں کی طرح امنڈ آئے۔

روانگی

شوال کی آخری تاریخ دوشنبہ ۱۲۳۶ھ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ آپ دائرہ شاہ علم اللہؒ سے روانہ ہوئے، پورے قافلہ کا کل خرچ آپ کے ذمہ تھا، ندی کو پار کر کے ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے کچھ دیر رُکے جو جمع ہو گئے تھے، مولوی محمد یوسف صاحب جو آپ کے خازن تھے ان سے کل رقم لے کر غرباء میں تقسیم فرما دی اور خالی ہاتھ ہو گئے، پھر برہنہ سر ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور عرض کیا اے کریم کارساز! تو نے اپنی اتنی مخلوق کو اپنے اس ذلیل بندے کے سپرد کر رکھا ہے آپ ہی چارہ سازی فرمایئے اور اپنی مہربانی سے بخیر و خوبی اس پورے قافلہ کو منزلِ مقصود تک پہونچایئے۔

اس وقت رفقاء سفر کو شمار کیا گیا تو چار سو پانچ یا سات آدمی شمار میں نکلے۔

آپ رائے بریلی سے دلمئو تشریف لے گئے، وہاں بڑی خلقت نے بیعت کی۔ وہاں چند روز قیام رہا۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"بھائیو! اگر تم سب اپنے گھر بار چھوڑ کر حج و عمرہ ادا کرنے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں سب مل کر ایسا اتفاق اور خلق رکھو جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں، ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت، ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو، اور ہر ایک کے کاروبار میں بلا انکار حامی و مددگار ہو، اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ و عار نہ جانو بلکہ عزت و افتخار سمجھو، یہی کام اللہ کی رضامندی کے ہیں، جب ایسے اخلاق تم میں ہوں گے تو اور غیر لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں شریک ہونا چاہیے۔"

خدا کی پرورش پر بھروسہ

"اللہ پر کامل توکل کرو، کسی مخلوق سے کسی چیز کی آرزو ہرگز نہ رکھو۔ رزاق مطلق، اور حاجت روائے برحق وہی پروردگار عالم ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا، دیکھو تو جس وقت بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون اسے روزی پہونچاتا ہے، پھر وہی بچے کو آسانی سے باہر لاتا ہے، اور باہر لانے سے پہلے ماں کے پستان میں روزی تیار رکھتا ہے، پھر وہ لڑکا اسی کی تعلیم سے دودھ پیتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اتنا ہی پی لیتا ہے باقی کبھی، ہاں، گرد وغبار سے محفوظ تازہ بتازہ ماں کے پستان میں رہتا ہے پھر دوسرے وقت پیتا ہے، یہ اسی پروردگار کی روزی رسانی ہے پھر چند مدت میں دودھ چھڑا کر اور غذا کھانے کی تعلیم فرماتا ہے، اسی طور سے پرورش کر کے جوان اور جوان سے بوڑھا کرتا ہے، اور روزی اس نے جس کی تقدیر میں جو کچھ لکھی ہے وہ بہر صورت اسے بلاشک وشبہ پہنچے گی۔"

خدا کا وعدہ برحق ہے

"یہاں ایک ادنیٰ آدمی جو ہم لوگوں کی دعوت کر جاتا ہے، چاہے جھوٹ ہی کر جائے ہم لوگ اس کے اعتماد پر اپنے گھر میں منع کر دیتے ہیں کہ ہمارے واسطے کھانا نہ پکانا فلاں کے یہاں ہماری دعوت ہے۔ یا مثلاً غازی الدین حیدر والی لکھنؤ اگر اس بات کا وعدہ کرے کہ میرے فلاں امیر کے ہمراہ کہ بیت اللہ شریف کو جاتا ہے جو کوئی جائے زاد راحلہ میں دوں گا تو ہزاروں آدمی خوشی

خوشی جانے پر مستعد ہو جائیں گے کچھ بھی اس کی وعدہ خلافی کا شک وشبہ دل میں نہ لائیں گے، مجھ سے تو اس شہنشاہ دو عالم پناہ، قادر برحق، رزاق مطلق نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ تیرے ساتھ اس سفر میں ہیں، ان کے کھانے کپڑے کا کچھ اندیشہ نہ کر، وہ سب میرے مہمان ہیں، وہ اپنے وعدہ کا سچا ہے کہ جس میں وعدہ خلافی کا احتمال کسی صورت بھی نہیں ہے، پھر میں کیونکر سچ نہ جانوں اور کس بات کا اندیشہ کروں، وہ آپ تم سب بھائیوں کی پرورش کرے گا۔"

سو کلام کا حاصل یہ ہے کہ جن بھائیوں کو یہ سب باتیں منظور ہیں اور میرے کہنے کو سچ جانتے ہیں وہ تو میرے ساتھ چلیں، میں ان کے رنج و راحت کا شریک ہوں اور میری یہی باتیں اپنی عورتوں کو سمجھا کر کہہ دیں ورنہ اب بھی مکان قریب ہے، سفر کی تکلیف اٹھانے کو موقوف کریں، سفر میں ہر طرح کی تکلیف ومصیبت ہوتی ہے اور راحت بھی ہوتی ہے، پھر کوئی بھائی کسی بات کا گلہ شکوہ زبان پر نہ لائیں۔

ہدایت عام

مجھ کو عنایت الٰہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک وبدعت میں اور فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے۔

حج کے اجرا کی پیش گوئی

"اور جناب الٰہی میں، میں نے اہل ہند کے لیے بہت دعا کی کہ الٰہی! ہندوستان

سے تیرے کعبہ کی راہ مسدود ہے، ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مرگئے، اور نفس و شیطان کے بہکانے سے کہ راستے میں امن نہیں حج سے محروم رہے، اور ہزاروں صاحب ثروت اب جیتے ہیں اور اسی وسوسے سے نہیں جاتے سو اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے بے دغدغہ چلا جائے اور اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ رہے، میری یہ دعا اس ذات پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ حج سے آنے کے بعد یہ راستہ علی العموم کھول دیں گے، سو انشاء اللہ جو مسلمان بھائی زندہ رہیں گے وہ یہ حال بچشم خود دیکھیں گے۔[1]

سفر کا آغاز

پنجشنبہ ۳ رذی قعدہ کو ڈلمئو سے بذریعہ دریائے گنگا روانگی ہوئی، موضع دھئی میں تھوڑی دیر کے لیے حضرت ٹھیرے اور کثیر تعداد نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت سید صاحب نے ان بیعت کرنے والوں سے فرمایا کہ بھائیو! بیعت کرنے کا حاصل یہ ہے کہ جو کچھ شرک و بدعت کرتے ہو، تعزیہ بناتے ہو، نشان کھڑے کرتے ہو، پیروں اور شہیدوں کی قبریں پوجتے ہو، ان کی نذر نیاز مانتے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہ جانو اور اپنا حاجت روا نہ مانو اگر یہ شرک و بدعت کرو گے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

یہ سن کر بہت سے لوگوں نے اسی وقت اپنے تعزیوں کے چبوترے کھود ڈالے، موضع ڈگڈگی، پیرنگر، گتنی، جہاں آباد، اوجھنی، اسرولی، چھپری، موسریاں ہوتے ہوئے الہ آباد

[1] وقائع احمدی

میں داخل ہوئے، ان تمام مقامات پر ہزاروں لوگوں نے بیعت و توبہ کی تعزیے توڑ دیے اور تمام مشرکانہ رسوم سے تائب ہوئے۔

الہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب نے جو الہ آباد کے رئیس اعظم تھے کمال مسرت کے ساتھ پورے بارہ روز تک قافلہ کی ضیافت کی اور اہل خاندان کے ساتھ بیعت ہوئے۔

الہ آباد میں کثرت سے لوگوں نے بیعت کی۔ بعض لوگوں کا اندازہ تھا کہ شاید شہر میں کوئی مسلمان باقی نہ رہا جس نے بیعت نہ کی ہو، آپ نے شیخ لعل محمد، شیخ وزیر اور ان کے بیٹوں کو خلافت نامہ دیا اور ان کو تاکید کی کہ شرک و بدعت کی برائی بیان کرو، مسلمانوں کو توحید اور اسلام کا طریق سکھاؤ۔

آخری دو روز آپ کا قیام حضرت شاہ محمد اجمل صاحبؒ کے مکان پر رہا، شاہ صاحب نے پچاس روپے بہ تقریب ضیافت اور دو خوشنما رضائیاں ہدیۃً پیش کیں۔

آپ باشندگان الہ آباد سے رخصت ہو کر مرزا پور پہونچے۔ دوسرے روز مرزا پور کے تمام مسلمان باشندے بیعت میں داخل ہو گئے، سب کو آپ نے شرک و بدعت سے بچنے کی نصیحت فرمائی۔

مرزا پور سے چل کر اگلی منزل بنارس ہوئی، پہلے آپ محلہ کندی گراں میں شاہ ابراہیم شرقی کی مسجد تشریف لے گئے پھر وہاں سے دوبے کی حویلی پر تشریف فرما ہوئے جس کو میزبانوں نے پہلے سے تجویز کر رکھا تھا۔

رؤسائے شہر کا رجوع

شہزادہ مرزا بلاقی اپنے اہل خانہ، متعلقین و ملازمین کے ساتھ بیعت ہوئے اور

تین روز تک دعوت کی، مولوی عبداللہ چابک سوار اور نور بافوں میں تقریباً دو ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔

بنارس میں پندرہ سولہ روز تک پانی کی جھڑی لگی رہی مگر آپ اسی حالت میں لوگوں کے گھروں پر تشریف لے جاتے کیچڑ اور سیلاب کے باوجود کسی قسم کا عذر نہ فرماتے۔

دعوت کا ایندھن

دوسرے یا تیسرے دن مولوی عبداللہ کے محلہ کے لوگ آئے اور آپ کو لے گئے اور کہا آج دونوں وقت آپ کی ضیافت ہے، اُن لوگوں نے کئی سو تعزیے توڑ کر ان کے کاغذ اور لکڑیوں کے انبار لگائے تھے، آپ کو وہاں لے جا کر دکھایا کہ یہ آپ کی دعوت پکانے کا ایندھن ہے، دونوں وقت یہی لکڑیاں جلائی جائیں گی۔

بدعات و رسوم کی اصلاح

ایک روز بنارس کے ایک رئیس اللہ رکھو نے دعوت کی، اور ان کے اہل خانہ و اقربا نے بیعت کی اور اپنی عورتوں سے بیعت کرائی، اس کے بعد عرض کیا کہ ہم نے بیعت تو آپ کے ہاتھ پر کر لی مگر ہمارے یہاں کئی باتیں ایسی ہیں کہ جب دور ہوں تب ہم لوگ پورے مسلمان ہوں، ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں شادی نہیں کرتے، دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں، تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ ہوتا ہے جس میں عیدین سے زیادہ خوشی مناتے ہیں۔

یہ سُن کر آپ نے فرمایا نعوذ باللہ من ذالک یہ تو بہت بُری باتیں ہیں، ان کو ضرور

ترک کرنا چاہیے، اکثر عوام الناس بلکہ بعض بعض خواص جو کہ نام کو عالم اور درویش کہلاتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ جہاں ہم نے کسی بزرگ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ہم کو کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ نقصان نہیں کرے گا، ہمارے پیر صاحب اللہ تعالیٰ سے ہم کو بخشوا لیں گے، اور بہشت میں لے جائیں گے، یہ محض ان کا خام خیال اور وہم ہے، پیر صاحب خود اپنے ہی مآل کار سے بے خبر ہیں کچھ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا، اور وہاں کا حال تو دریافت کرنا امر محال ہے، یہاں دنیا میں جن کاموں کے دن رات عادی اور خوگر ہیں، ان کا حال نہیں جانتے چنانچہ بھوک پیاس، سونا جاگنا، پاخانہ، پیشاب وغیرہ خود میں اپنا حال کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ کس وقت مجھ کو بھوک پیاس لگے گی یا کب نیند کا غلبہ ہوگا یا کس وقت پاخانہ پیشاب کی ضرورت ہوگی۔ یوں ہی اور بہت کام ہیں جب ان ادنیٰ باتوں کو بالیقین نہیں جانتے ہیں تو اور بڑے بڑے کاموں کی ہم کو کیا خبر؟ یہاں ہم کسی کی مصیبت دور نہیں کر سکتے، وہاں کب کسی کی مصیبت دور کر سکیں گے؟ مگر ہاں پیر خدا و رسول کے مطابق جو طریقہ مرید کو بتائے مرید کو لازم ہے کہ اس کو نہ چھوڑے اسی پر چلا جائے، وہی اس کی نجات کا وسیلہ ہے اور اس کے بغیر یہ تمام نفس کا فریب اور شیطان کا مکر ہے، خدا کی مخالفت کو نہ کوئی پیر بخشا سکے گا نہ کوئی پیغمبر، جن صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان سے تم سمجھا کر کہہ دو کہ جو کام خدا و رسول کے حکم کے خلاف ہیں سب کو ترک کرو، تب اس بیعت کرنے کا تم کو فائدہ ہوگا نہیں تو محض لاحاصل ہے، نہ میں ان کا پیر ہوں نہ وہ میرے مرید۔

بنارس سے عظیم آباد تک

۷ محرم جمعہ کے روز بنارس سے روانگی ہوئی۔ غازی پور، بلدیہ، چھپرہ، دانا پور میں قیام

فرماتے اور دعوت و تبلیغ فرماتے عظیم آباد پہونچے، ان مقامات پر کثیر تعداد میں لوگوں نے بیعت کی اور خلاف شرع امور سے توبہ کی، سینکڑوں کی تعداد میں تعزیے توڑے اور چبوترے اور امام باڑے کھود دیے گئے' اور مسجدوں کی بنیادیں رکھی گئیں۔

عظیم آباد میں دو ہفتے قیام رہا، مولوی سید مظہر علی صاحب نے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے' اور ان کے علاوہ مولوی فتح علی، شاہ محمد حسین اور مولوی الٰہی بخش کو خلافت نامے ملے۔

تبت کو تبلیغی وفد

عظیم آباد میں چند تبتی مسلمان حج کرنے کے لیے آپ کے انتظار میں تھے۔ ان سے بیعت لینے کے بعد آپ نے فرمایا، ہم تم کو خلافت نامہ دے کر جہاں بھیجیں وہاں جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو تمھارے ہی ملک بھیجیں گے، وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھر، لات، گھونسہ کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا، اسی طور تعلیم و تلقین کرتے رہنا، پھر عنایت الٰہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دین اسلام کی کیسی ترقی ہوگی اور وہ سارے ایذا دینے والے خود آ کر تم سے خطا معاف کرائیں گے۔

پھر کئی ورقوں میں توحید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کے رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھ کر دے دیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا۔

ان لوگوں نے تبت جا کر بڑی تکلیفیں اٹھائیں لیکن ثابت قدم رہے اور مسلسل دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں لگے رہے اور ان سے بڑا فائدہ ہوا، ہزاروں آدمی راہ راست پر آ گئے

شرک و بدعت کی بیخ کنی ہوئی۔

عظیم آباد میں حضرت سید صاحب کے دست مبارک پر متعدد شیعہ روسا اور عمائدین شہر نے بیعت و توبہ کی اور اپنے اہل و عیال کو بھی بیعت کرایا جن میں خاص طور پر قابل ذکر نام نواب قطب الدین خاں کا ہے۔

عظیم آباد میں قافلہ کے لیے ضروری سامان خریدا گیا ۲۶ محرم چہار شنبہ کو روانہ ہو کر سورج گڈھ[1] مونگیر، بھاگلپور، راج محل، مرشد آباد، کٹوا، ہگلی ہوتے ہوئے کلکتہ تشریف فرما ہوئے۔ ان مقامات پر ایک خلقت نے بیعت کی اور مستفیض ہوئے۔

کلکتہ میں قیام

کلکتہ پہونچ کر منشی امین الدین صاحب کے باغ میں، جو شہر کے بااثر رئیس تھے قیام فرمایا، یہ باغ منشی امین الدین صاحب نے حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ اور ان کے ہمراہیوں کے قیام کے لیے چند دنوں قبل خریدا تھا۔

مصروفیت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم

دو مہینے روز آنہ تقریباً ایک ہزار آدمی بیعت سے مشرف ہوتے حضرت کو سوائے نماز پڑھنے اور ضروریات بشری کے فرصت نہ ملتی، سات آٹھ دستاریں کھول کر مجمع میں پھیلا دی جاتیں اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے، دن میں سترہ اٹھارہ بار یہ عمل ہوتا، نماز فجر کے بعد حضرت سید صاحب وعظ فرماتے، حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، بعض

[1] مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کا وطن ہے۔

kalahazrat@gmail.com

روتے روتے بے ہوش ہوجاتے۔

غیر مسلموں کا قبول اسلام

مولانا عبدالحی صاحب جمعہ اور سہ شنبہ کو وعظ فرماتے، روزانہ دس پندرہ ہندو مسلمان ہوتے، دوسرے تیسرے روز ان کا ختنہ ہوتا۔

نکاح کی ترغیب و ترویج

اس وقت بنگال میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ پہلا نکاح والدین بچپن میں کردیتے اس کے بعد جس کا جی چاہتا کسی عورت کو بے نکاح گھر میں رکھ لیتا، اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کرلیتا۔ حضرت سید صاحبؒ نے چند متدین علماء کو اس پر متعین فرمایا کہ آنے والوں کو بٹھا کر تحقیقات کریں اور جس عورت و مرد کے تعلقات بغیر نکاح کے ہوتے اگر دونوں موجود ہوتے تو ان کا نکاح پڑھا دیا جاتا بصورت دیگر دوسرے کو بلا کر نکاح پڑھایا جاتا۔

کلکتہ میں شراب کی دوکانوں کا یہ حال ہوا کہ شراب فروخت ہونی موقوف ہوگئی یہاں تک کہ ٹھیکہ داروں نے حکومت میں شکایت کی کہ ہم سرکاری محصول ادا کرتے ہیں لیکن جب سے ایک سید صاحب آئے ہیں ہماری دوکانیں بند ہوگئی ہیں۔

بنگال اور آسام کے مختلف علاقوں سے کثیر تعداد میں لوگ آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے، ان لوگوں سے آسام اور بنگال کا حال معلوم ہوا کہ مسلمان نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، سارے اعمال و افعال مشرکانہ انجام دیتے ہیں، تعزیہ پرستی، پیر پرستی، نذر نیاز کرنا پیروں فقیروں سے مرادیں مانگنا دینداروں کے کام سمجھے جاتے ہیں اور جو دنیادار ہیں ان کا

حال تو اس سے بھی برا ہے، ہندوؤں کی طرح باورچی خانہ گوبر سے لیپا جاتا ہے کوئی دوسرا شخص اس میں داخل نہیں ہوسکتا، بہت سے مسلمان بھوانی کی پوجا کرتے ہیں، بے نکاحی عورتیں رکھنے کو برا نہیں سمجھا جاتا۔

یہ سب سن کر حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہارا ملک بہت بڑا ہے اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو تمہارے ملک کا دورہ کرتے، مولوی امام الدین صاحب اور صوفی نور محمد صاحب سلہٹی یہاں رہیں گے ان سے تم تعلیم حاصل کرو، پھر حضرت نے چند لوگوں کو خلافت نامہ دے کر مختلف علاقوں کو روانہ کیا اور ان سے فرمایا کہ تم لوگ جابجا دورہ کرتے رہنا اور توحید و سنت کا جو مضمون یہاں سیکھا ہے وہی لوگوں کو سکھانا اور ان سے شرک و بدعت کے کام چھڑانا جو کوئی تم کو رنج و ایذا دے صبر کرنا اور وعظ و نصیحت کرتے رہنا، اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے بہت لوگوں کو ہدایت ہوگی، جو لوگ زندہ رہیں گے وہ دیکھ لیں گے کہ یہ وہی ملک بنگال ہے، جہاں کوئی توحید و سنت کو نہیں جانتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فضل و کرم کیا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کے شہزادے خدمت میں حاضر ہوئے، فلسفہ کے مطالعہ سے ان کے عقائد متاثر ہوگئے تھے، حضرت سید صاحبؒ ان سے گفتگو کی وہ مطمئن ہوئے اور چند روز کے بعد بیعت سے مشرف ہوئے۔

کلکتہ کے دوران قیام بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی ضرورت بیان کر کے امداد کے طالب ہوتے آپ کبھی کسی سے "نہیں" نہ کرتے۔

سفر کے انتظامات

کلکتہ سے حج کی روانگی کی تیاری شروع ہوئی، گیارہ جہاز کرایہ پر لیے گئے، بارہ ہزار روپے

کرایہ تجویز ہوا، ہر جہاز پر ایک امیر مقرر ہوا، اشیائے خوردنی خرید کر جہازوں پر رکھ دی گئیں۔

غلام حسین خاں فخر التجار خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جہاز عطیۃ الرحمٰن بادشاہی ہے اور اس پر ساٹھ ضرب توپ چڑھی ہے اس پر آپ سوار ہوں جس وقت ملک عرب پہونچیں گے تو وہاں کے لوگ آپ کی بہت عزت و حرمت کریں گے۔

یہ سُن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ سے متغیر ہوگیا اور فرمایا غلام حسین خاں یہ تم نے کیا کہا، عزت و حرمت تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے بندے کی طرف سے نہیں، ہم دنیا کی قدر و منزلت کو ایسا جانتے ہیں جیسے سڑا اُگتا۔

روانگی

روانگی سے قبل مجمع بہت تھا آپ نے ظہر کی نماز کے بعد مجمع کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، خلفاء میں جو لوگ خدمت میں حاضر تھے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی تاکید فرمائی۔

کلکتہ سے مکہ معظمہ تک

عصر کی نماز کے بعد آپ جہاز پر سوار ہوئے، آپ کے ہمراہ حج کے لیے جانے والوں کی تعداد جو مختلف جہازوں پر تھے چھ سو ترانوے (۶۹۳) تھی، ان کے علاوہ مساکین ایک سو سات کی تعداد میں تھے۔

جہاز پر آپ کے معمولات

آپ کا روزانہ کا معمول صبح کی نماز کے بعد حزب البحر پڑھنے کا تھا، اس کے بعد

مولوی محمد یوسف صاحب سے سورۂ زخرف کا پہلا رکوع سنتے، پھر سوا پہر دن چڑھے تک مجلس رہتی جس میں سب کو شرکت کی اجازت تھی، پھر آپ کھانا تناول فرماتے، دوپہر کو آرام فرماتے۔ جب ظہر کا وقت آتا تو آپ اُٹھتے اور نماز ادا فرماتے، نماز کے بعد پھر لوگ حاضر ہوتے اور حضرت کے ارشادات سے مستفیض ہوتے۔

عدن

عدن کا پہاڑ جب دکھائی دیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جہاز سے اتر کر شہر میں داخل ہوئے اور دوگانہ شکر ادا کیا، دوسرے روز جہاز نے لنگر اٹھایا سید زین العابدین بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت سید صاحب چھت پر کھڑے تھے میں اس وقت آپ کے پیچھے تھا اس وقت آپ سمندر کو دیکھ کر سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم پڑھتے تھے اور دیوان حافظ کے کچھ اشعار بھی پڑھتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان فرماتے تھے اس کے بعد آپ نیچے اترے اور نماز پڑھائی۔ اس نماز میں ایسی تاثیر اور برکت تھی کہ ہر ایک کے اوپر ایک حال سا واقع تھا اور ہر شخص کی طبیعت متوجہ الی اللہ تھی۔

مخا میں

مخا جہاز کے ناخدا کا وطن تھا جہاں اس نے ایک ماہ قیام کرنے کا فیصلہ کیا، آپ شہر میں تشریف لائے اور ایک مکان کرایہ پر لے کر قیام پذیر ہوئے۔ مخا میں رواج تھا کہ بے تکلف حوض و تالاب میں برہنہ غسل کرتے تھے، آپ کو یہ بات بہت ناپسند ہوئی اور آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کے ذریعہ قاضی شہر کو اس طرف توجہ دلائی، قاضی صاحب نے حاکم شہر سے کہہ کر اس قبیح رواج پر پابندی

عائد کی۔

ایک ماہ بعد جہاز نے لنگر اٹھایا اور بندرگاہ حدیدہ پہونچا، دوسرے روز وہاں سے چل کر ۳؍شعبان چہار شنبہ کے روز جدہ پہونچا، مطوف محمد رئیس آپ کی تشریف آوری کو سن کر جدہ میں آپ کے منتظر تھے انھوں نے آپ کے ماموں حضرت شاہ ابو اللیث بن حضرت شاہ سید ابو سعید حسنیؒ کی سند پیش کی اور عرض کیا کہ میں آپ کے خاندان کا مطوّف ہوں اور آپ کا قافلہ مجھی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے منظور فرمایا۔

پانچ روز جدّہ میں قیام فرما کر کچھ دیر حدیبیہ میں قیام فرمایا اور ساتھیوں سے بیعت جہاد لی اور ساتھیوں کے ساتھ نہایت تضرّع و زاری سے دعا فرمائی۔

مکہ معظمہ میں

۹ ؍شعبان ۱۲۳۶ھ کو آپ مکہ معظمہ پہونچے اور مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہوئے، طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور بڑی گریہ و زاری کے ساتھ دعا کی، اور چاہ زمزم پر جاکر زمزم پیا اور غسل فرمایا، سعی کی اور اس کے بعد سر کے بال منڈائے اور احرام کھول دیا، حرم شریف کے نزدیک ایک حویلی کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرمایا، دوسرے روز رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا۔

روزانہ مکہ مکرمہ کے علما و مشائخ خدمت میں حاضر ہوتے اور فیوض روحانی حاصل کرتے۔

۲۰؍رمضان المبارک گزار کر اکیسویں شب سے آپ نے اعتکاف فرمایا، شوال کا چاند دیکھ کر نماز مغرب ادا کرکے آپ قیام گاہ تشریف لائے، عید کے روز مکہ معظمہ کے علما اور مشائخ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جن میں محدث شیخ عمر بن عبد الرسول حنفی، حنفی مصلیٰ کے امام شیخ

مصطفےٰ، شیخ شمس الدین شطا، خواجہ آغا الماس ہندی اور سلطان مصر کے نائب شیخ حسن آفندی قابل ذکر ہیں۔

مناسکِ حج

۸؍ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ یوم الترویہ کو آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ حطیم میں بڑی گریہ و زاری کے ساتھ طویل دعا فرمائی، تمام حاضرین پر عجیب رقت و کیفیت طاری ہوئی اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ اور رات گزار کر صبح عرفات حاضر ہوئے اور پورا وقت دعا اور مناجات میں گزارا، غروب آفتاب کے وقت مزدلفہ روانگی ہوئی اور رات وہیں بسر کی، نماز فجر کے بعد منیٰ تشریف لے گئے اور جمرۂ عقبہ کے بعد بڑی الحاح و زاری سے بارگاہ رب العزت میں دعا کی، پھر قربانی کر کے سر کے بال منڈائے، عصر کی نماز کے بعد طواف زیارت کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، طواف، سعی کے بعد منیٰ واپس ہوئے۔

سفر مدینہ منوّرہ

جب مدینہ منورہ کے سفر کا قصد فرمایا تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ اہل عرب سب ہمارے لیے واجب التعظیم ہیں، ہمارے لیے ان کا مقابلہ کرنا ہرگز روا نہیں، یہ کہہ کر آپ نے اپنی کمر سے چاقو بھی کھول کر زمین پر ڈال دیا، یہ دیکھ کر سارے اہل قافلہ نے اپنے ہتھیار کھول کر ایک مکان میں محفوظ کر دیئے اور خالی ہاتھ مدینہ منورہ کا عزم کیا۔

راستہ میں کئی بار بدوؤں نے حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کی کوشش کی مگر

اللہ کے فضل وکرم سے کوئی نقصان نہیں ہوا، اور بخیر و عافیت یہ قافلہ اہل دل مدینہ منورہ پہونچا، حضرت سید صاحبؒ باب السلام سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ نماز اشراق سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر کی زیارت کی، علالت اور ناسازیٔ طبع کے باوجود روزانہ ہر نماز کے وقت مسجد نبوی حاضر ہوتے۔

مدینہ منورہ میں سردی تیز ہوگئی اور رفقاء کے پاس کپڑے وغیرہ ایسے نہ تھے کہ سردی سے حفاظت ہوتی کہ ایک روز آپ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، ارشاد ہوا احمد اب یہاں سے جاؤ تمہارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہے۔

مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں آپ نے مسجد قبا، مسجد قبلتین و جنت البقیع کی بار بار زیارت کی، ایک بار قسمت کی یاوری سے جالیوں کے اندر شب گزاری کا موقع ملا، متعدد بار زیارت نبوی سے سرفراز ہوئے۔

روانگی سے قبل جبل احد تشریف لے گئے، متعدد مقامات کی زیارت کی اور بعض مقامات پر دعا کی۔

زیارتوں کے بعد آپ نے مکہ معظمہ کا ارادہ فرمایا اور جس راستہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا اسی سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ پہونچ کر احرام باندھا اور روانہ ہوئے وادیٔ فاطمہ پہونچ کر نہایت تضرع وزاری سے دعا کی پھر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے طواف بیت اور سعی سے فارغ ہو کر بال منڈوائے اور مکان پر آرام فرمایا۔

مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسماعیل کو درس دینے کا حکم دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا اسی روز و شب میں دوسرا رمضان المبارک مکہ معظمہ میں گزرا۔

رمضان المبارک کے بعد وطن واپسی کا ارادہ فرمایا اور تمام رفقاء کے ساتھ جو مختلف جہازوں پر تھے جدہ سے روانہ ہو کر براہ بمبئی کلکتہ پہونچے۔

بمبئی میں محلہ میمن واڑہ میں قیام فرمایا اور کثیر تعداد میں لوگ بیعت سے مشرف ہوئے، طالبانِ معرفت کا ہر وقت ہجوم رہتا، کسی وقت فرصت نہ رہتی۔ اٹھارہ روز کے قیام کے بعد بمبئی سے مالابار ہوتے ہوئے کلکتہ تشریف فرما ہوئے۔

کلکتہ میں اہل تعلق بہت دنوں سے انتظار میں تھے، حضرت کی تشریف آوری سے شہر میں پھر دین کی بہار آگئی، چند روز کے قیام کے بعد وطن واپسی کا قصد فرمایا اور کشتی کے ذریعہ مونگیر پہونچے، وہاں مولانا ولایت علی عظیم آبادی مع دیگر اہل علم و فضل اشخاص کے منتظر تھے ملاقات و بیعت سے مشرف ہوئے جنھوں نے پھر ایسا دامن تھاما کہ آخر وقت تک ساتھ نہ چھوڑا۔

مونگیر سے عظیم آباد تشریف لائے اور دس روز قیام کرنے کے بعد پھلواری تشریف لے گئے۔

عظیم آباد سے کشتیاں ڈھکیا اور دانا پور کے راستہ سے رائے بریلی روانہ ہوئیں، بنارس ہوتے ہوئے آپ مرزا پور تشریف فرما ہوئے، وہاں سے تکیہ کی مسجد کے لیے پتھر اور غریب پڑوسیوں کے لیے چکّیاں خریدیں۔

مرزا پور سے الہ آباد تشریف آوری ہوئی وہاں دیرینہ ارادتمند شیخ غلام علی کے یہاں قیام ہوا، چند روز قیام کے بعد آپ خشکی کے راستہ سے رائے بریلی تشریف لائے، اور دیگر اہلِ قافلہ کشتیوں کے ذریعہ وطن پہونچے۔

گھروں میں تشریف لے جانے سے قبل تمام اعزہ اور اہلِ تعلق کو مسجد میں جمع کر کے

kalahazrat@gmail.com

سب کے لیے دین و آخرت کی بھلائی کے لیے دعا فرمائی۔

حضرت سید صاحبؒ کی سفرِ حج سے واپسی دو سال دس مہینے کے بعد ہوئی۔

وطن میں آخری قیام

سفرِ حج سے واپسی کے بعد ایک سال دس مہینے رائے بریلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں آپ نے لوہانی پور اور شیخوں کے محلہ میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی۔

ایک سال دس مہینے کی یہ مدت مریدین اور مسترشدین کی ذہنی و جسمانی تربیت میں صَرف ہوئی۔ ایک طرف مجاہدات، توجہ ذکر و شغل اور نوافل میں مشغولی تھی، دوسری طرف فنونِ حرب کی تحصیل کی طرف تھی۔

دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ، تربیت جہاد کا ایک مرکز بن گیا تھا، جہاں ذکر و شغل کے ساتھ فنونِ حرب سکھائے جاتے تھے اور جذبۂ شہادت پیدا کیا جاتا تھا۔

پانچواں باب

جہاد اور اس کی تیاریاں

جہاد کے سلسلہ میں خود حضرت سید صاحبؒ نے کیا ارشاد فرمایا مختصر تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت سید صاحب نے جہاد کی تبلیغ و دعوت کے لیے جو خطوط مختلف لوگوں کو تحریر کیے ان میں سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن سے تحریکِ جہاد کا اصل مقصد بخوبی واضح ہو جاتا ہے:

"اس تمام جدّ و جہد سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے کہ اہلِ کفر و ضلالت سے جنگ کرنے کے بارے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں، ان کی تعمیل کی صورت پیدا ہو۔"

(بنام سردار یار محمد خاں)

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم نے محض اللہ کے لیے علم جہاد بلند کیا ہے۔ ہم مال و منال، جاہ و جلال، امارت و ریاست، حکومت و سیاست کی طلب و آرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔"

(بنام علماء و رؤسا سرحد)

علماء و مشائخ ہندوستان کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانہ اور ہر مقام میں جنگ کرنا لازم ہے، لیکن

خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں کہ اہلِ کفر وطغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے مظلوموں کی آہ و فریاد کا غلغلہ بلند ہے، شعائرِ اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آرہی ہے، اس بنا پر اب اقامت رکن رکین یعنی اہل شرک سے جہاد عامہ مسلمین کے ذمہ کہیں زیادہ موکد اور واجب ہوگیا ہے۔"

شاہ سلیمان والی چترال کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکوں نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہوگیا ہے اور شعائرِ اسلام اُٹھ گئے ہیں۔

راجہ ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہان کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔"

حضرت سید صاحب جہاد کو امت اسلامیہ کے لیے رگ جاں کی حیثیت دیتے تھے اور اس کو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اور شعائرِ دین کی سربلندی اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے لیے ضروری قرار دیتے تھے، اور دین و شریعت کے قیام کے لیے سلطنت کے قیام کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میرا اس منصب (امامت) قبول کرنے سے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طور پر قائم کیا جائے، اور یہ میری آرزو ہے کہ اکثر افرادِ انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے کسی کی مخالفت کے بغیر جاری ہوجائیں۔"

فرماتے ہیں:

"دین کا قیام سلطنت سے ہے اور دینی احکام جن کا تعلق سلطنت سے ہے، سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت و نکبت اور شریعت مقدسہ کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مساجد و معابد کی تخریب جو ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"چونکہ زبانی دعوت و تبلیغ، شمشیر و سنان سے جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لیے رہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں کفار سے جنگ کے لیے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سربلندی و ترقی اسی رکن، جہاد کی اقامت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔"

یہ اقتباسات اس بات کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت سید صاحبؒ کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور شریعت مصطفوی کا نفاذ تھا جس کے لیے وہ ہر قدم اٹھانا ضروری سمجھتے تھے۔

ہجرت

ہندوستان میں اس وقت اسلام کی بے بسی و بے کسی، اہلِ دین کی بے وقعتی اور کسمپرسی کا جو حال تھا اس کا پورا نقشہ حضرت سید صاحبؒ کی دور رس نگاہوں سے چھپا ہوا نہیں تھا، خصوصاً پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقوں کے حالات سخت ناگفتہ بہ تھے، مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کی املاک ضبط کرلی جاتی تھیں، مسجدیں منہدم کردی جاتی تھیں اور بے شمار مسجدیں کفار کے قبضہ و تصرف میں آرہی تھیں، لاہور کی

kalahazrat@gmail.com

بادشاہی مسجد، شاہی اصطبل اور اس کے حجرے گولہ بارود رکھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے، بلند آواز سے اذان دینے پر پابندی عاید تھی، اس وسیع سرحدی علاقہ میں جو پنجاب کہلاتا تھا مسلمان، آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں تھے، لیکن رنجیت سنگھ مہاراجہ پنجاب کی باقاعدہ حکومت کے قائم ہوجانے کے باوجود، ظلم وستم کی ایسی چکی میں پس رہے تھے، جس نے ان کے سارے مذہبی وسماجی امتیازات ختم کر دیے تھے، اور وہ ایک ایسی محکوم اور غلام قوم کی حیثیت اختیار کر گئے تھے جو اپنا دینی و ملی شعور بھی کھو بیٹھی تھی۔

ان حالات کا تقاضہ تھا کہ پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کی اعانت کی جائے، اور ان میں جہاد کی روح بیدار کی جائے تاکہ یہ علاقے جو اسلامی حکومت کو نیا خون فراہم کرتے تھے پھر اپنا وہی کردار ادا کرنے لگیں، اور جہاد کا وہ فریضہ زندہ ہو جو ایک مدت سے مُردہ ہو چکا تھا۔

تمام جغرافیائی اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت سید صاحب نے فیصلہ کیا کہ آزاد قبائل کے علاقہ کی طرف جہاد کی نیت و ارادہ سے ہجرت کی جائے، اور فوجی اور سیاسی تدبّر کا یہ تقاضہ بھی تھا کہ ایسے علاقہ کو منتخب کیا جائے جو پُرجوش اور طاقتور افغان قبائل کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک کے ساتھ مربوط بھی ہو۔

دوشنبہ ۷، جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷، جنوری ۱۸۲۶ء کو اپنے وطن رائے بریلی سے آپ نے سفر کا آغاز کیا۔ پہلی منزل ڈلمئو ہوئی، وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے روز فتح پور تشریف فرما ہوئے، اور وہاں سفر کی تیاریاں کیں، ہلکی ڈولیاں اور لمبی لمبی ڈوریاں تیار کرا کر قافلہ والوں کے سپرد فرمائیں۔

فتح پور سے بھوا ہوتے ہوئے چلہ پار گھاٹ کے راستہ دریائے جمنا عبور کی اور

سرکنڈی ضلع فتح پور میں ٹھیرتے ہوئے باندہ شہر میں قیام فرمایا، تین روز قیام کرنے کے بعد باندے سے روانگی ہوئی، جلال پور ہوتے ہوئے جالون پہونچے اور وہاں سے گوالیار میں داخل ہوئے۔ گوالیار میں غلام حیدر خاں وغیرہ نے بیعت کی۔

گوالیار میں مہاراجہ دولت راؤ نے نذر پیش کی اور دعوت کی۔

مہاراجہ کی فرمائش

مہاراجہ گوالیار نے حضرت سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ کی توجہ میں بڑی تاثیر ہے مجھے بھی سرفراز فرمایا جائے، حضرت نے فرمایا کہ باطنی توجہ تو قرب خداوندی حاصل کرنے لیے ہوتی ہے اور کفر اس کے منافی ہے۔ مہاراجہ نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ خالق برتر آپ کی توجہ سے مجھے ایمان کی توفیق ارزانی فرمائے۔ حضرت سید صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ آپ ایمان کو سب سے قیمتی چیز سمجھتے ہیں اس لیے میں توجہ کرتا ہوں آپؒ نے اس کو سامنے بٹھا کر توجہ فرمائی۔

مہاراجہ کے محل میں عصر کی نماز کا وقت آگیا اسلامی لشکر کے مؤذن شیخ باقر علی نے بلند آواز سے اذان دی حضرت سید صاحبؒ نے امامت فرمائی اور دو رکعت سفر کی پڑھیں۔

اس کے بعد مہاراجہ نے ایک سال تک میزبانی کی پیشکش کی جس کو آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ مہاراجہ نے پھر عرض کیا کہ اتنا قیام فرمائیں کہ لشکر کے ہتھیار اور سامان درست کر دوں آپؒ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا۔

قافلہ کی فوجی تقسیم

گوالیار میں آپ نے مجاہدین کو جنگی اصول پر مختلف گروہوں میں تقسیم فرمایا، اور

ہر گروہ پر ایک امیر مقرر کیا، قلب لشکر کے امیر مولوی محمد یوسف پھلتی، مقدمۃ الجیش کے امیر مولانا محمد اسماعیل دہلوی، میسرہ پر سید محمد یعقوب امیر مقرر کیے گئے۔

گوالیار سے روانگی

گوالیار سے روانہ ہو کر ٹونک پہونچے اور قلعہ کے میدان میں قیام فرمایا۔ امیر الدولہ نواب محمد امیر خاں والی ٹونک ملاقات کے لیے آئے، ایک ماہ کے قریب ٹونک میں قیام رہا۔

نواب صاحب مع متعلقین و اعزہ بیعت ہوئے، ٹونک سے روانہ ہو کر اجمیر، پالی میں قیام کرتے ہوئے مارواڑ کا نہایت دشوار گزار ریگستان عبور کرتے ہوئے عمر کوٹ پہونچے۔ راستہ میں پانی کی شدید دشواری پیش آئی اکثر جگہ کنویں کھودنے پڑتے جو کبھی کھاری نکلتے کبھی شیریں، دور دور تک آبادی کا نشان تک نظر نہ آتا اس پر ڈاکوؤں کا خطرہ الگ، ہر وقت تیار و ہوشیار رہنا پڑتا، راستہ میں جو گاؤں ملتے وہاں کے رہنے والے اس لشکر کو دیکھ کر سخت متوحش ہوتے اور اکثر اوقات لڑنے پر تیار ہو جاتے، خدا خدا کر کے مارواڑ کا علاقہ ختم ہوا اور سندھی بلوچیوں کی عملداری شروع ہوئی اور اہل اسلام کی حکومت کے آثار نظر آئے۔

حیدر آباد سندھ

عمر کوٹ، موضع کھاوڑہ، کارو، میر پور، ٹنڈو الہ یار ٹھیرتے ہوئے دعوت و اصلاح و ترغیب جہاد دیتے ہوئے ٹنڈو جام پہونچے، وہاں ایک رات بسر کی اور وہاں سے کوچ کر کے حیدر آباد سندھ تشریف فرما ہوئے۔ وہاں کے روسا و حکام اور اہل شہر نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔

سید حمید الدین لکھتے ہیں کہ اگر چند روز قیام رہتا تو شاید کوئی بھی بیعت سے محروم نہ رہتا۔

حیدر آباد سے روانگی

تیرہ روز حیدر آباد میں قیام فرما کر روانہ ہوئے، اگرچہ امیران سندھ نے مزید قیام کرنے پر بڑا اصرار کیا، لیکن حضرت سید صاحبؒ مزید قیام کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

آپ نے دو کشتیاں کرایہ پر لیں اور ایک بجرہ امیران سندھ سے مستعار لیا، کمزور رفقا کو مع سامان سوار کیا اور خود مع ساتھیوں کے خشکی کے راستے سے قندھار کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں کئی مقامات پر ٹھیرتے ہوئے رانی پور پہونچے، یہاں سید صالح بغدادی نے جو مشہور پیر زادہ تھے پورے لشکر کی دعوت کی اور یہیں سندھ کے مشہور شیخ طریقت سید صبغت اللہ شاہ راشدی "بانی تحریک حر" سے ملاقات ہوئی، وہ بہت گرم جوشی اور اخلاص و محبت سے ملے اور اپنے بھائی کو آپ کے ساتھ پیر کوٹ تک جو شاہ صاحب کا وطن تھا ساتھ کیا اور پھر خود تشریف لائے، تین روز تک قافلہ کی میزبانی کی۔

پیر کوٹ میں قافلہ کا قیام دو ہفتہ رہا، اس قیام کے دوران حضرت شاہ صاحب سے ربط و تعلق میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور سید صبغت اللہ شاہؒ نے ان مہاجرین کی نصرت کے ساتھ ساتھ اصل مقصد جہاد میں شرکت کا عزم بھی کیا لیکن حضرت سید صاحبؒ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ خود اپنی جمعیت کے ساتھ سکھوں کے حدود حکومت سے متصل کسی موزوں مقام پر جہاد کا آغاز کریں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ سکھ حکومت دو محاذوں پر الجھ جانے کی وجہ سے دشواریوں میں مبتلا ہو جائے۔

پیرکوٹ سے کشتیوں کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ بڑی دشواریوں کے بعد جیب کوٹ پہونچے جہاں شاہ غلام محی الدین جو سرہندی پیرزادہ کے نام سے مشہور تھے آپ کے نہایت بے تابی سے منتظر تھے، ایک رات ان کی مہمان داری میں بسر کی اور صبح وہاں سے روانہ ہوکر شکارپور پہونچے۔ شکارپور اس وقت سندھ کا بہت بڑا شہر اور تجارت کا مرکز تھا۔

حضرت سید صاحبؒ جب مجاہدین کے لشکر کے ساتھ شہر کے قریب پہونچے تو اہل شہر کو دشمن کا شبہ ہوا اور انھوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے یہ دیکھ کر حضرت سید صاحبؒ نے سید حمید الدین اور سید اولاد حسن قنوجی کو شہر کے حاکم آغا کاظم کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ہم بعض ضروریات کی وجہ سے دو تین روز کے لیے آئے ہیں، ہمارے لیے شہر کے دروازے کھول دیے جائیں، تاکہ ہم غلّہ اور جانوروں کے لیے دانہ فراہم کرلیں۔

اہل شہر اور حاکم کے اطمینان کرلینے کے بعد شہر کے دروازے کھول دیے گئے، شہر کے علما، صلحا، اور عوام جوق درجوق آنے لگے اور ہدایت و تلقین سے بہرہ ور ہونے لگے، یہاں تک عید الاضحیٰ کا دن آگیا اور تمام علما، روسا و عوام عیدگاہ میں جمع ہوئے حضرت سید صاحبؒ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی اور بیس ہزار مسلمانوں نے آپ کے پیچھے نماز عید ادا کی۔

حاکم شہر نے حضرت سید صاحبؒ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور آپ کی بیعت کا ارادہ کیا لیکن حضرت سید صاحبؒ نے اس وقت ساتھ لے چلنا مناسب نہ سمجھا اور اس کا وعدہ لیا کہ جب طلب کیا جائے گا اس وقت ضرور حاضر ہوں۔ [۱]

شکارپور سے روانگی

شکارپور سے روانہ ہوکر جاگن میں پہلی منزل ہوئی راستہ میں خوب بارش ہوئی

اور یہ ریگستانی علاقہ جو گرمی اور لُو سے جھلس رہا تھا ٹھنڈا ہوگیا۔ جاگن سے روانہ ہوکر خان گڑھ میں پڑاو پڑا، وہاں کا زمیندار حاضر خدمت ہوا، اجناس خوردنی اور گھوڑوں کا چارہ بطور مہمانی لایا اور بیعت سے مشرف ہوا۔ خان گڑھ سے چل کر مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے شاہ پور پہونچے وہاں سید محسن شاہ جو بلوچیوں کے پیر و مرشد تھے کمال عقیدت سے حاضر ہوئے اور اپنے دو بیٹوں کے ساتھ ہمراہ ہوئے۔

خان گڑھ سے چل کر آپ چھتر پہونچے وہاں کا حاکم حاضر خدمت ہوکر بیعت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس کے ذریعہ والی ریاست محراب خاں کے نام دعوت جہاد کا خط بھیجا۔

چھتر سے روانہ ہوکر قصبہ شور ہوتے ہوئے بھاگ پہنچے، دوسرے روز شہر کے علماء، شرفاء، قاضی اور حاکم شہر خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے اکثر نے بیعت کی۔

بھاگ سے چل کر ڈھاڈر کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں شہر حاجی میں اس نواح کا ایک رئیس منتظر تھا، اس نے بڑی عالی ہمتی اور خوش اخلاقی کے ساتھ ضیافت کی۔

شہر حاجی سے روانہ ہوکر ڈھاڈر پہنچے، شہر کے علماء، شرفا اور عوام کمال عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔

درہ بولان

درہ بولان ایک قدرتی لیکن سخت خطرناک راستہ ہے جس سے افغانستان میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔ سید حمید الدین لکھتے ہیں:

"شہر ڈھاڈر سے شہر شال ساٹھ کوس کا فاصلہ غیر آباد، کوہستان اور سخت دشوار درہ ہے۔ راستہ میں دائیں بائیں بعض جگہ آدھا بیگہ اور بعض مقامات پر صرف چالیس قدم کی گنجائش ہے۔ پہاڑ کے اوپر اگر دونوں طرف سو آدمی سامانِ جنگ کے ساتھ راستہ روک کر بیٹھ جائیں تو ایک لاکھ سوار و پیادہ کا لشکر زیادہ سے زیادہ سامانِ جنگ کے ساتھ گزر نہیں سکتا۔ اس راستہ میں پانی کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی، اس لیے چار دن کا کھانا رکھ لیا گیا۔ ۱۴ محرم کو عصر کی نماز کے بعد اس درّہ میں داخل ہوئے، تمام رات چلے صبح کے قریب بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک پرانی ببول کے نیچے لشکر کا پڑاؤ ہوا۔ دن بھر آرام کرنے کے بعد نمازِ عصر پڑھ کر پھر روانہ ہوئے، اور اسی طرح صبح کی نماز کے وقت موضع کیرتا میں قیام ہوا۔ یہاں پہاڑوں کا فاصلہ نصف میل کے قریب تھا، دن بھر وہاں آرام کرنے کے بعد شام کو روانگی ہوئی، صبح کو مقام سرآب پہونچے، یہ مقام عجیب ہے، پہاڑ کی جڑ میں پتھر میں دس بارہ جگہ سوراخ ہیں، جن سے صاف و شفاف فوارے کی طرح شیریں پانی کے چشمے رواں ہیں، یہاں دونوں جانب پہاڑ کی اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں، درمیان میں بڑے بڑے گول پتھر اس قدر پڑتے ہیں کہ کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں، ان پر آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں پھسلتے ہیں۔

ظہر کے وقت مقام سرآب سے روانہ ہوئے، یہاں دونوں طرف پہاڑ اس قدر بلند ہیں کہ قلعہ کے دیوار کی طرح معلوم ہوتے ہیں، چالیس پچاس قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں، یہاں پہونچ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں کہ اگر کوئی پتھر یا چٹان کھسک جائے تو خیر نہیں، ہر ہر قدم پر قزاقوں کا خطرہ تھا، اللہ تعالیٰ نے تمام خطرات سے محفوظ رکھا، ایک گھڑی رات کو اس درّے کے دروازے سے لوگ نکلے، اور کھلی ہوا میں اطمینان کا سانس لیا۔"

شال[1]

ظہر کے وقت حضرت سید صاحب اور اہلِ قافلہ شال شہر میں داخل ہوئے شہر کا حاکم قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، اور بیعت ارادت و جہاد کی اور اس سفر میں ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ حضرت نے اس وقت روکا اور فرمایا کہ جب بلائیں تو تم آجانا اور اس کے لیے بہت دعائیں کیں۔

۱۵ محرم کی صبح کے وقت شال سے لشکر کا کوچ ہوا، حاکم شہر حضرت کی محبت میں زار و قطار روتا تھا، آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور اسی کے ساتھ قندھاریوں اور بلوچیوں کی صلح کے لیے بڑی گریہ و زاری کے ساتھ دعا فرمائی۔ اس زمانہ میں دونوں کی فوجیں جنگ کے لیے آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

محراب خاں کی حکومت سے نکل کر حکومت قندھار کی عملداری میں داخل ہوئے، راستہ بھر علما، صلحا اور عام مسلمان کا اس قدر ہجوم ہوتا رہا کہ راستہ چلنا دشوار ہو جاتا، آپ اسی طرح منزلیں طے کرتے ہوئے قندھار میں داخل ہوئے۔ سیکڑوں سواروں نے اپنے گھروں سے نکل کر راستہ میں ملاقات کی، ہزاروں شرفا، علما، اہلِ شہر نے پیادہ پا آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور سواری کے ساتھ

---

[1] اب کوئٹہ کے نام سے مشہور ہے۔

kalahazrat@gmail.com

چلنے کو فخر جانا، یہاں تک کہ اس قدر ہجوم ہوا کہ راستے تنگ پڑ گئے۔

دوسرے روز حاکم قندھار پردل خاں سے ملاقات ہوئی اس نے بڑی عقیدت کے ساتھ ملاقات و معانقہ کیا۔

غلزئی قبیلہ کے علاقہ میں

قندھار میں چار روز قیام کرنے کے بعد آپ روانہ ہوئے، ہزارہا اشخاص نے جہاد کی نیت سے آپ کی معیت کا قصد کیا اور سامان فراہم کرنے میں مشغول ہوئے۔ یہ دیکھ کر حکام نے آپ سے درخواست کی کہ شہر کا سارا نظام درہم برہم ہو رہا ہے، آپ کسی کو اپنے ساتھ جانے کی اجازت نہ دیں، یہ دیکھ کر حضرت سید صاحب نے بے لطفی کے اندیشہ سے روانگی میں جلدی کی اس کے باوجود چار سو علماء و طلباء اور خانقاہوں کے مشائخ کسی نہ کسی طرح شہر سے باہر آگئے، یہ سب شوق جہاد میں سرشار تھے، آپ نے ان میں سے دو ۲۷ستر آدمیوں کا انتخاب فرمایا اور باقی سے کہا کہ جب جہاد شروع ہو جائے تو آجانا۔

قندھار سے چل کر آپ غلزئی قبیلہ کے علاقہ میں پہونچے جن کے آباء و اجداد ایک عرصہ قبل ایران و افغانستان کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کرتے تھے۔

غلزئی قبیلہ کے سرداروں نے اس تحریک جہاد میں شرکت کا قصد کیا اور اپنی مکمل حمایت و مدد پیش کی، حضرت سید صاحبؒ نے ان کی پوری دلجوئی اور خاطر داری کی اور ان کے جذبۂ جہاد کو سراہا۔

غزنی

قندھار اور غزنی کے راستہ میں مختلف مقامات پر قیام فرماتے آپ غزنی میں داخل

ہوئے اور سلطان محمود غزنوی کے مزار کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

حاکم غزنی اور علماء و رؤسائے شہر خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔

دو روز غزنی میں قیام فرما کے ۵ ۲ صفر ۱۲۴۲ھ کو کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

جب کابل کے قریب پہونچے تو والی کابل سردار سلطان محمد خاں کا خط ملا جس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ آپ کا تشریف لانا فراوانی برکت اور زینت مملکت کا باعث ہے، بے تکلف تشریف لائیں اور ہم لوگوں کو اپنے خدام میں شمار فرمائیں۔

جب شہر کے سامنے پہونچے تو استقبال کرنے والوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا، سلطان محمد خاں مع اپنے تین بھائیوں کے استقبال کے لیے کھڑا تھا، آپ نے سلام و پیام کے بعد مصافحہ و معانقہ فرمایا اور وہ آپ کے ہمرکاب چلا، ڈیڑھ ماہ کابل میں قیام رہا پھر وہاں سے پشاور روانگی ہوئی، پشاور میں چند روز قیام فرما کر ہشت نگر، خویشگی ہوتے ہوئے اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہوئے نوشہرہ تشریف فرما ہوئے، راستہ میں ہشت نگر میں پچھلی رات کو آپ اُٹھے، وضو کر کے نماز تہجد ادا کی، اور آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے، میں جناب الٰہی میں دعا کرتا ہوں تم سب مل کر آمین کہو، پھر آپ نے سر برہنہ گریہ و زاری کے ساتھ دعا کی، "اے پروردگار! تو قادر بے نیاز ہے، ہم سب تیرے محتاج و لاچار بندے ہیں، تیرے سوا کوئی ہمارا حامی و مددگار نہیں، ہم سب تیری رضامندی کے لیے اپنے شہر و دیار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، تو ہم سب پر اپنی رحمت کی نظر کر۔" اسی طرح کے الفاظ بار بار کہتے تھے، اس وقت ہر شخص کا کوئی اور ہی حال تھا، گویا سب پر فنا کی سی حالت طاری تھی، دعا کے بعد حاضرین کو وعظ و نصیحت فرمائی۔

kalahazrat@gmail.com

یہی وہ مبارک مقام تھا جہاں سے اس محبوب عمل؛ ورعبادت عظمیٰ کا آغاز ہونا تھا جو برسوں کی جدِ مسلسل اور رفتار کی دینی وجسمانی تربیت کا مقصد اولیں تھا، جس کی خاطر یہ پُرمشقت سفر کیا گیا، جس کی نظیر اسلامی ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

چھٹا باب

جہاد

نوشہرہ پہونچ کر حضرت سید صاحبؒ نے حکومت لاہور کو مندرجہ ذیل شرعی اعلام نامہ تحریر فرمایا:

١۔ یا تو اسلام قبول کرلو، اس وقت ہمارے بھائی اور ہمارے مساوی ہوجاؤ گے لیکن اس میں کوئی جبر نہیں،

٢۔ یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا شروع کرو، اس وقت ہم اپنے جان و مال کی طرح تمھارے جان و مال کی حفاظت کریں گے،

٣۔ آخری بات یہ کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں کوئی قبول نہیں، تو لڑنے کے لیے تیار ہوجاؤ، مگر یاد رکھو سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔

اکوڑہ کی جنگ

ایک مخبر نے خبر دی کہ سکھ سردار بدھ سنگھ لشکر کے ساتھ اکوڑہ میں داخل ہوگیا ہے حضرت سید صاحب نے جنگی مصالح کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ دشمن پر شب خون مارا جائے۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نماز مغرب کے بعد آپ نے اللہ بخش خاں صاحب کو بلایا اور ان کو اس چھاپہ کا امیر مقرر فرمایا، اور ان سے فرمایا چلنے سے قبل گیارہ بار سورۂ لایلٰف پڑھ لیں پھر کوچ کریں اللہ تعالیٰ مدد کرے گا، جب یہ جماعت آپ سے رخصت ہونے آئی تو آپ نے فرمایا کہ، "ہم جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں تم سب مل کر آمین کہو"، پھر آپ دعا میں مشغول ہوئے کہ "اے پروردگار، قادر بے نیاز، اور اے کریم کارساز، بندہ نواز یہ تیرے بندے محض عاجز خاکسار ضعیف و ناچار ہیں، تیری ہی مدد کے امیدوار ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں، یہ صرف تیری ہی رضامندی اور خوشنودی کو جاتے ہیں تو ہی ان کی مدد کر۔"

دعا کے بعد سب لوگ آپس میں ملے، کہا سنا معاف کرایا اور کہا اگر اللہ تعالیٰ زندہ سلامت لایا تو ملیں گے، اور جو وہاں شہید ہو گئے تو ان شاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی، پھر مجاہدین اکوڑہ کی طرف روانہ ہوئے۔

راہِ خدا کا پہلا شہید

لشکر کفار کے قریب جا کر مجاہدین کھڑے ہو گئے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سب مجاہدین سکھوں کی فوج میں گھس پڑے۔ اس عرصہ میں ایک پہرہ دار نے بندوق چلائی، وہ گولی شیخ باقر علی کے لگی، وہ بولے میرا کام تو ہو گیا، کوئی بھائی میرے پاس کے ہتھیار لے لے، یہ اللہ کا مال ہے۔

مجاہدین کی شجاعت

مجاہدین نے سکھوں پر زبردست حملہ کیا، کسی نے چار آدمی مارے، کسی نے دس،

عبدالمجید خاں رائے بریلوی نے چودہ پندرہ آدمیوں کو جہنم رسید کیا، اس عرصہ میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی، مولوی امیر الدین صاحب کے پاس دو تلواریں تھیں انھوں نے ایک تلوار ان کو دی انھوں نے اس تلوار سے بھی کئی سکھ مارے۔

عبداللہ بسم اللہ نام کے ایک مجاہد تھے ان کے پاس ایک برچھی تھی انھوں نے سات یا آٹھ آدمی برچھی سے مارے۔

رات بھر جنگ جاری رہی، صبح صادق کے وقت مجاہدین نے واپسی کا ارادہ کیا اور لشکرِ اسلام میں واپس آئے، معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں میں سے چھتیس آدمی اور قندھاریوں میں چالیس آدمی شہید ہوئے اور کل چالیس آدمی تقریباً زخمی ہوئے، اور سکھوں کے سات سو آدمی مارے گئے۔

حضرو پر چھاپہ اور بیعت امامت

اکوڑہ کی جنگ کے بعد ملکی سرداروں اور خوانین نے حضرت سید صاحبؒ سے کہا کہ یہاں سے کچھ دور پر حضرو کی بستی ہے جو سکھوں کی عملداری میں ایک بڑی تجارتی منڈی ہے اگر اس پر چھاپہ مارا جائے تو بہت مال غنیمت ہاتھ آئے۔

حضرت سید صاحبؒ نے ان ملکی لوگوں کو اجازت دی کہ وہ خود یہ کام انجام دیں۔

رات گئے لوگ حضرو روانہ ہوئے اور چھاپہ مارا صبح ہوتے یہ منظر دیکھا گیا کہ ملکی لوگ مال غنیمت کی گٹھریاں لادے چلے آرہے ہیں اور ان کے پیچھے سکھ سوار بندوقیں چلاتے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت سید صاحبؒ نے ملکیوں کی مدد کے لیے مجاہدین کی ایک جماعت روانہ کی جس نے آگے بڑھ کر سکھوں کو روکا اور ان سے مقابلہ کیا اور شکست

دی۔ ملکی بجائے سکھوں سے مقابلہ کرنے کے سامان لے کر بھاگنے میں اتنے زیادہ بدحواس ہوئے کہ ان کی ایک تعداد دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئی۔

اس چھاپہ سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ملکی لوگ کسی ضابطہ اور نظام کے پابند نہیں ہیں اور جنگ کے موقع پر لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں، جس سے جہاد کا نظام بری طرح مجروح ہوتا ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر علماء لشکر کا اس پر اتفاق ہوا کہ سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اپنا ایک امام مقرر کر لیا جائے تاکہ اس کی قیادت و امامت میں شرعی جہاد ہو، محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو، منظم جنگ ہو، مال غنیمت کی شرعی تقسیم ہو، جو نافرمانی کرے وہ باغی اور خارج از جماعت ہو، اور اس کو سزا دی جا سکے۔

چنانچہ ۱۲ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۴۲ھ کو بالاتفاق حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی گئی، اور ۱۳ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۴۲ھ کو دوسرے روز جمعہ میں آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

بیعت امامت کے بعد حضرت سید صاحبؒ نے پوری وضاحت سے اعلان کیا کہ سب کو امام کی مکمل اطاعت کرنا ہوگی، شریعت پر پوری طرح عمل کرنا ہوگا، غیر شرعی رسوم اور رواج چھوڑنے پڑیں گے، اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دینا ہوگی۔

اس بیعتِ امامت کی اطلاع پورے ملک میں تمام سرداروں اور رؤسا، علماء اور عوام کو کی گئی، اور بذریعہ مکتوبات ہندوستان کے علاقوں میں یہ اطلاع بھیجی گئی۔

اس سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ کے ایک خط کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے، جس سے اس مقصدِ عظیم کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے:

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اہلِ انصاف و ہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہلِ کفر و ضلال کے ساتھ جو جنگ

و جدال اور قتل و قتال ہوتا ہے اگر محض مال و عزت اور حکومت و ریاست حاصل کرنے کے لیے ہو، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور اگر نصرت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبویؐ کے لیے ہو، تو اس کو عرف شرع میں جہاد کہتے ہیں اور وہ تمام عبادات میں افضل، اور تمام طاعات سے اکمل ہے، کہ کوئی عبادت رفع درجات و تکفیر سیئات میں اس کے مساوی نہیں۔ جیسے کہ آیہ کریمہ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً سے معلوم ہوتا ہے۔

پس اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ فرض قانون شریعت کے مطابق ادا کیا جائے، تاکہ آخرت میں وسیلۂ نجات اور دنیا میں مثمر ثمرات اور نزول رحمت یزدانی اور تائید آسمانی کا باعث ہو، جہاد کے لیے سب سے بڑی شرط امام کا مقرر کرنا ہے۔ چنانچہ آیت ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ، اور وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ۔ اور حدیث میں ہے: من لم يعرف إمام زمانه فقد مات ميتة جاهلية۔ اور حدیث: صلوا خمسكم وصوموا شهركم واطيعوا إذا أمركم تدخلوا جنة ربكم۔ اور حدیث: من قتل تحت راية عمياء فقد مات ميتة جاهلية۔ اور حدیث: من خرج من بيته مجاهدا واصلح ذات البين واطاع الإمام فنومه ويقظته حسنة ومن خرج وافسد فى الارض ولم يطع الامام فلم يرجع كفافا۔

اس طرح بے شمار آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ اقامتِ جہاد

اور ازالۂ کفر و فساد اس زمانہ میں کہ اہلِ کفر و طغیان کی شورش کا زمانہ ہے، عام مسلمانوں کے ذمہ واجب و موکد ہوگیا ہے، پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب و موکد ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے ارشادات غیبی و الہامات لاریبی سے اس منصب شریف کی بشارت دی، پھر مومنین صادقین، سادات و علماء عظام، مشائخ کرام، خوانین عالی مقام اور خواص و عام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کر کے مجھ کو اس منصب شریف سے مشرف فرمایا، چنانچہ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جس میں خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام خاں اور علماء و سادات و خوانین تھے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی، اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا، اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا۔ اسی مہینہ کی ۱۳ تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا خطبہ میں فقیر کا نام داخل کیا، انشاء اللہ عنقریب اس سنت کی ادائیگی کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں، لازم ہے کہ جہاد کے لیے اور کفر و فساد کو مٹانے کے لیے کمر ہمت باندھیں، اس کے نائبوں مثلاً سعادت مآب کمالات انتساب اخوی اعزی شیخ صابر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں اور پوری توجہ و دلچسپی اور بلند ہمتی سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تاکہ کفار سے جنگ اور جمعہ و عیدین کی نماز مشروع طریقہ پر ہوں اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجور جزیلہ کی موجب ہوں۔"[1]

---

[1] سید احمد شہید جلد اول

ساتواں باب

جنگ شیدو

حضرت سید صاحبؒ سے بیعت امامت کے بعد پورے ملک افغانستان و سرحد میں جہاد کا غلغلہ مچ گیا۔ ہر طرف سے علماء و مشائخ و روساء و خوانین خدمت میں حاضر ہونے لگے اور حضرت سید صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت امامت کرنے لگے۔

سرداران پشاور جو کبھی پورے ملک سمہ پر قابض و متصرف نہ ہونے پائے تھے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت سید صاحب کی رفاقت پر آمادہ ہوئے اور شرکت جہاد کے لیے اپنی فوجوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔

حضرت سید صاحبؒ کو یہ اطلاع ہنڈ میں ملی کہ سردار یار محمد خاں، سردار سلطان محمد خاں، اور پیر محمد خاں اپنے لشکر کے ساتھ نوشہرہ سے کچھ فاصلہ پر مقیم اور حکم کے منتظر ہیں۔

حضرت سید صاحبؒ ان کی ملاقات کے لیے ہنڈ سے نوشہرہ تشریف لے گئے، وہاں ان تینوں سرداروں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔ خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں نے بھی جہاد کے لیے اپنے علاقوں سے اسی ہزار کے قریب ملکی لوگ جمع کیے، اس طرح مجاہدین ہند، ملکی اور سرداران پشاور کی فوجیں ملا کر ایک لاکھ کے قریب ہوگئیں، نوشہرہ سے لشکر نے کوچ کر کے موضع شیدو کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

زہر خورانی

حضرت سید صاحبؒ کا کھانا دونوں وقت درّانیوں کے یہاں سے آتا تھا، رات کو سردار یار محمد خاں نے کھیر اور گنے کی گنڈیریاں بھیجیں، سید صاحب نے کھیر نوش فرمائی اور گنے کی چند گنڈیریاں چوسیں، تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی طبیعت خراب ہو گئی، خرابی اتنی بڑھی کہ غشی ہونے لگی، کسی وقت ہوش آتا اور پھر غشی ہو جاتی، ادھر جنگ کا نقارہ بجا، درّانیوں کی طرف سے اصرار ہوا کہ حضرت کو فوراً لاؤ، اسی حالت میں لشکر کی روانگی ہوئی، حضرت ہاتھی پر سوار ہوئے۔ شاہ محمد اسماعیل دہلوی خواصی میں بیٹھے۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اسلامی لشکر نے زبردست حملہ کیا، سخت جنگ کے بعد سکھوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس پوری مدت میں سردار یار محمد خاں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں اور اپنا لشکر لیے کھڑا رہا کہ یکایک سکھوں کی طرف سے ایک گولا اس کے لشکر پر گرا، جس سے کئی سوار ہلاک ہو گئے۔ گولے کے گرتے ہی سردار یار محمد خاں مع اپنے لشکر کے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا، اس کے بھاگتے ہی سکھوں نے پلٹ کر زوردار حملہ کیا جس کو باقی مجاہدین نے روکا۔ موضع شیدو کی طرف سے گوڈری شہزادہ اپنے رفقاء کے ساتھ آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اور دادِ شجاعت دیتا رہا، یہاں تک کہ شہادت پا کر سرخرو ہوا۔

ادھر حضرت سید صاحبؒ پر غشی طاری تھی، مولانا محمد اسماعیل صاحب آپ کی خدمت میں تھے، حضرت کو جب ہوش آیا تو پوچھا لڑائی کا کیا حال ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ یار محمد خاں نے دغا کی، لڑائی بگڑ گئی۔ اب یہی رائے ہے کہ آپ پہاڑ کی طرف تشریف لے جائیں۔ حضرت سید صاحب چند مجاہدوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ ہندوستانی حضرت کو لیے ہوئے گھاٹ پر آئے اور بڑی مشکل سے دریا پار کیا۔

چارسدہ کے سادات سید صاحب اور مجاہدین کو اپنے مکانات میں لے گئے، سید صاحب کو جب ہوش آتا تو شاہ محمد اسمٰعیل صاحب پوچھتے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ ان کو تسلی دیتے کہ اللہ کا فضل ہے۔

چارسدہ سے آپ موضع چنگلئی تشریف لائے، کئی روز کے بعد حضرت سید صاحب کو اتنی صحت ہوئی کہ آپ غشی کے دوروں سے محفوظ ہوئے، مجاہدین اس پوری مدت میں سخت حزن و ملال میں مبتلا تھے۔ آپ نے لوگوں کو اداس اور غمگین دیکھ کر فرمایا کہ یہ تمام ہمارے بھائی کیوں اداس اور غمگین ہیں؟ شاہ محمد اسماعیل صاحب نے جب سے حضرت سید صاحب کی طبیعت خراب ہوئی اس وقت سے اب تک کی ساری تفصیل سنائی۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا، یہ اس کا بدلہ ہے جو ہم لوگوں سے کچھ جنابِ الٰہی میں خطا اور بے ادبی ہوئی ہے اور یہ بھی ایک امتحانِ الٰہی تھا، اور ان لوگوں کا زہر دینا بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہیں، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک سنت ہم سے ادا ہوئی۔

پھر آپ نے ننگے سر ہو کر جنابِ باری میں نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کی:

> "الٰہی! یہ ہم سب تیرے بندے، ذلیل و خاکسار، عاجز و ناچار ہیں، اور تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں، محض تیرے ہی فضل و کرم کے امیدوار ہیں، ہم تیری آزمائش اور امتحان کے قابل نہیں، ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ، اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنی راہِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ، اور جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں ان کو ہدایت کر۔ آمین"

پھر آپ نے تمام مجاہدین کو جو مختلف جگہوں پر تھے بلا لیا، یہ زمانہ مجاہدین کے لیے بڑا سخت زمانہ تھا، کھانے کی تنگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مٹھی مکئی ہر شخص کو ملتی تھی جس سے

kalahazrat@gmail.com

دن بھر کام چلتا تھا، مریضوں کی کثرت تھی، گنتی کے چند آدمی تندرست تھے باقی سب بیمار، کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا کہ ایک دو مجاہد وفات نہ پاتے ہوں۔ اگر وفات شدہ کی کوئی چادر ہوتی تو اسی میں لپیٹ کر دفن کر دیتے، اور اگر مرنے والے کے پاس کوئی چادر بھی نہ ہوتی تو پرانی جاجم ڈھلی ہوئی رکھی تھیں اسی میں سے ایک چادر پھاڑ کر اس کے کفن کا انتظام کرتے۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے تنگی میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ متواتر کئی فاقے ہوئے تو ایک پگڑی اور ایک تھان بیچ کر گزارا کیا گیا۔ اس عرصہ میں ایک ہندوستانی قافلہ آگیا اور جو روپیہ وہ لایا تھا حوالہ کیے، جس سے وہ تنگی دور ہوئی۔

جنگ شیدو میں سردار یار محمد خاں کی بے وفائی کی وجہ سے مجاہدین کو جس صدمہ اور شکست سے دوچار ہونا پڑا اس پر دربار لاہور نے بڑی مسرت اور شادمانی کا اظہار کیا، اور شہر میں چراغاں کرنے کا حکم دیا، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی خوشی میں ہزاروں روپیہ محتاجوں اور فقراء پر تقسیم کیے اور جشن شاہانہ منایا۔

آٹھواں باب

دعوتِ جہاد کے لیے دورے

جنگ شیدو کے بعد جس میں سردار یار محمد خاں کی غداری کی وجہ سے خلاف توقع نتیجہ سامنے آیا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے عزم و ہمت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا، آپ اسی ہمت و حوصلہ کے ساتھ جہاد کی تیاریوں میں مصروف رہے۔

زہر خورانی کی وجہ سے علالت اور اس سے مکمل افاقہ میں ایک ماہ کا عرصہ لگ گیا، اس سے صحتیاب ہوتے ہی آپ نے بونیر اور سوات کے علاقوں کا دورہ شروع فرمایا۔

چنگلئی سے آپ کا سفر شروع ہوا، چلہ، کوگا، ناوگئی میں قیام کرتے اور دعوت و اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہوئے علاقہ بونیر روانہ ہوئے۔ ان علاقوں میں کثیر تعداد میں لوگوں نے بیعت کی، اور جہاد کے لیے تیار ہوئے۔ اس طرح چند روز بونیر کے علاقوں میں گزار کے وہاں سے سوات کے لیے روانہ ہوئے۔ راہ میں جو دیہات یا قصبات پڑتے وہاں جہاد کرنے اور شریعت پر چلنے کی دعوت دیتے، جس کے نتیجہ میں پورے پورے علاقے آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوتے اور جہاد کے لیے اپنی جان و مال کے ساتھ ہمراہی کا قصد کرتے، اور سادات، خوانین اور عوام کا

ایک زبردست ہجوم پروانہ وار آپ کو گھیرے رہتا اور آپ کی پُرتاثیر صحبت سے فیضیاب ہوتا
بونیر اور سوات کا یہ دورہ تبلیغ و دعوت اور ہدایت خلق کے لحاظ سے بہت کامیاب
رہا۔ اس دورہ میں ہزاروں بندگانِ خدا نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور جہاد
کے لیے اپنے جان و مال کو پیش کیا، قبائل کے پیچیدہ آپسی اختلافات اور تنازعات آپ
کی کوششوں سے حل ہوئے، برسوں کی عداوتیں کافور ہو کر اتحاد و اتفاق میں تبدیل
ہوگئیں۔ آپ کا یہ بابرکت سفر پورے علاقہ کے لیے بارانِ رحمت بن گیا، جس نے
برسوں کی سوکھی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر دیا اور ایمان و یقین کی بہار جانفزا آگئی۔

شاہ چترال کو دعوت جہاد

آپ نے ترغیب جہاد کے لیے اخوند فیض محمد کو چند بیش قیمت تحائف کے ساتھ
شاہ چترال کے پاس بھیجا۔

مجاہدین ہند کی مزید آمد

آپ اس سفر ہی میں تھے کہ میاں مقیم رام پوری، مولوی قلندر، قاضی احمد اللہ،
مولوی رمضان اپنے اپنے قافلوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس میں
خاص طور پر میاں مقیم رام پوری کا قافلہ نہایت چست اور سلاح و پوشاک سے درست
تھا، ان تمام مجاہدین نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت توبہ و جہاد کی۔

اسی درمیان حضرت مولانا عبدالحی بڑھانوی ہندوستان سے تشریف لائے، سید صاحب
نے ان کے استقبال کے لیے بیس پچیس غازی کہاروں کے ساتھ بھیجے، جب آپ کو اطلاع

ملی کہ مولانا تشریف لے آئے ہیں تو حضرت سید صاحب نے آگے بڑھ کر استقبال فرمایا، مولانا
نے آگے بڑھ کر حضرت سید صاحب کے دست مبارک پر بوسہ دیا، حضرت سید صاحب
مولانا ممدوح کو اپنے ساتھ قیام گاہ تک لائے۔

پنجتار کو واپسی

ہوڈی گرام سے بری کوٹ، جوڑ، تورسک، باچا، شل بانڈی، تختہ بند، کوگا ہوتے
ہوئے چنگلئی تشریف لائے اور چند روز قیام فرما کر عیدالاضحیٰ کے بعد پنجتار آ کے
قیام فرمایا۔

kalahazrat@gmail.com

نواں باب

پنجتار کا قیام

مجاہدین کے قیام، تعلیم و تربیت اور جہاد کی تیاریوں کے لیے اس علاقہ میں پنجتار سے موزوں دوسرا کوئی مقام نہیں تھا، آخر کار اسی جگہ کو ایک طویل عرصہ تک مجاہدین کے قیام اور سرگرمیوں کا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا، اور لشکر اسلام کی چھاؤنی کی حیثیت اس کو ملی۔

اس پورے عرصہ میں یہاں، اخوت و مساوات، اسلامی معاشرت کا صحیح نمونہ، عبادت و مجاہدہ، خدمت و مواسات، ایثار و قربانی، سادگی و بے تکلفی، محنت و جفاکشی کے ایسے مناظر دیکھنے میں آئے جن سے قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی۔

یہاں کے رئیس فتح خاں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ انصار کی یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح اس علاقہ کے قدیم باشندوں نے بھی محبت و خدمت اور ایثار و قربانی کی مثالیں قائم کر دیں۔

مہاجرین مختلف مواضعات میں قیام پذیر ہوئے، دس بارہ من جنس روز بیت المال سے تقسیم ہوتی تھی، اسی طرح ضرورت کے مطابق ان میں کپڑے تقسیم کیے جاتے تھے۔

مجاہدین کا طرز زندگی

مجاہدین جو حضرت سید صاحبؒ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب تھے ایک دوسرے

کی خدمت کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، ہر کام میں للہ فی اللہ شریک ہوتے، چکی پیستے، کھانا پکاتے، کپڑے دھوتے، لکڑی چیرتے، گھاس چھیلتے، بیماروں کی خدمت کرتے، اور ان کاموں کو انجام دینے میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں تھی، بڑے بڑے مخدوم زادے اور امیر زادے ان کاموں کو انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

بعض لوگ جو نئے نئے آئے تھے اور ان کو حضرت سید صاحب کی صحبت بابرکت نصیب نہیں ہوئی تھی وہ یہ دیکھ کر آشفتہ خاطر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ سب کام تو رذیلوں کے لیے ہیں شرفا کے نہیں۔

حضرت سید صاحبؒ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ کسی کو خطاب کر کے نصیحت نہ فرماتے کہ اس کو شرمندہ ہونا پڑے، بلکہ ایک عام بات کہتے جب آپؒ کو ان لوگوں کے یہ خیالات معلوم ہوئے تو ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا:

"ایک عورت کا خاوند مر گیا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اس کا خاوند کچھ مال و دولت چھوڑ کر نہیں مرا، وہ بے چاری چرخا کاتتی ہے، پسائی کرتی ہے، سلائی کرتی ہے اور ہر طرح کی محنت و مزدوری جو بن پڑتی ہے کرتی ہے اور بچوں کو پالتی ہے، صرف اس امید پر کہ یہ پرورش پا کر جوان ہوں گے، نوکری چاکری کریں گے، بڑھاپے میں مجھے روٹی دیں گے، خدمت کریں گے، میرا بڑھاپا آرام سے بسر ہوگا، اس کی یہ امید موہوم ہے، یقینی نہیں۔ اگر وہ لڑکے زندہ رہے اور صالح اور لائق ہوئے، اپنی ماں کا حق پہچانا تو اس کی آرزو پوری ہوئی اور اگر وہ نالائق اور نکمے نکلے تو وہ جھیک جھیک کر مری۔ یہاں جو ہمارے بھائی محض خدا کے واسطے خالص نیت سے چکی پیستے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، لکڑی

kalahazrat@gmail.com

چیرتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں، گھوڑا ملتے ہیں، کپڑے سیتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں، اور اسی طور کے سب کام کرتے ہیں، یہ تمام داخلِ عبادت ہیں، اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہیں، سب اولیاء اللہ آج تک ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں جتنے کام شرع کے موافق ہیں، کسی کے کرنے میں عار نہیں۔ ان سب کاموں کا اجر اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہاں ملنا یقینی ہے۔ سب بھائیوں کو چاہیے کہ ان کاموں کو فخر و عزت اور سعادت دارین سمجھ کر بلا عار و انکار کیا کریں اور یہ ہمارے صاحب ایمان مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام ترک کر کے محض اللہ و رسول کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہر نایاب اور لعلِ بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں، ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔"

حضرت سید صاحب کے یہ ارشاد فرمانے کے بعد تمام لوگ ان کاموں کے انجام دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے اور اس کو ذخیرۂ آخرت سمجھ کر انجام دینے لگے۔

حضرت سید صاحب مجاہدین کے ساتھ خود بھی روزمرہ کے کاموں کو انجام دینے میں شریک رہتے، چکی پیستے، لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور دیگر کام انجام دیتے، آپ کو دیکھ کر مجاہدین زیادہ ذوق و شوق سے ان کاموں کو عبادت سمجھ کر کرتے۔

مجاہدین کی خوراک و لباس

مجاہدین میں سے ہر ایک کو ایک تاملوٹ گیہوں اور دو مٹھی دال ملتی تھی اور جو

مہمان آتے وہ حضرت سید صاحبؒ کے باورچی خانہ سے کھاتے تھے۔ لباس کے سلسلہ میں ہر ایک کو سال میں پانچ جوڑے ملتے تھے۔ اس کے علاوہ جاڑوں میں ایک دگلا اور رضائی کے لیے ایک دوہر اور ایک سیر روئی ملا کرتی تھی، کپڑے دھونے کے لیے ہر جمعرات کو سب کو صابن کی دو چکیاں تقسیم ہوتی تھیں۔

حضرت سید صاحبؒ ان تمام انتظامی امور میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ ارشاد و تلقین، بیعت و اجازت کا سلسلہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے، علما و مشائخ، عوام و خواص دور دور سے حاضر خدمت ہوتے اور فیض حاصل کرتے، ان کے علاوہ خود مجاہدین کی دینی و روحانی ترقی اور تربیت کی طرف آپ کی خصوصی توجہ رہتی اور آپ کی شفقت اپنے رفقاء پر اتنی زیادہ تھی کہ لوگ اپنے گھر بار کو بھول گئے اور آپ ہی کو اپنا اصل مربی و بزرگ اور ماں باپ کی جگہ پر جاننے لگے۔

ہزارہ کی طرف توجہ

سوات و بونیر کے دورہ کے بعد حضرت نے ہزارہ کی طرف توجہ کی جو اس وقت آپس کے انتشار اور افتراق کا شکار اور سکھوں کی جولان گاہ بنا ہوا تھا، درانی حکومت کے زوال کے بعد سے ہزارہ سکھ سرداروں کی زد پر آگیا تھا، اور ہزارہ کے قبائلی سردار بجائے سکھوں کے مقابلہ کے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔

۱۸۱۸ء میں ہزارہ میں سکھ حکومت قائم ہوئی لیکن وقفہ وقفہ سے قبائل اس حکومت کے خلاف جنگ آزما ہوتے رہے لیکن رنجیت سنگھ نے سخت اقدامات کے ذریعہ اس علاقہ پر اپنا تسلط برقرار رکھا اور اس سلسلہ میں اس نے متعدد بار نہتے عوام کا قتل عام

کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

ان حالات میں حضرت سید صاحبؒ نے پنجتار میں اپنا مرکز قائم فرمایا، ہزارہ کا علاقہ پنجتار سے متصل واقع تھا، ان شکست خوردہ سرداروں نے یہ دیکھ کر امید باندھی کہ اب وہ پھر سے اپنا علاقہ حاصل کرسکیں گے اور انھوں نے یکے بعد دیگرے خود یا اپنے وکیلوں کے ذریعہ حضرت سید صاحب سے اپنے تعلق وعقیدت کا اظہار کیا اور اپنی حمایت اور امداد کی درخواست کی، ان سرداروں میں حبیب اللہ خاں، مظفر آباد سے سلطان نجف خاں اور سلطان زبردست خاں، اگرور سے عبدالغفور خاں، امان اللہ خان خیل، ناصر خاں بھٹ گرامی شامل تھے، اسی اثنا میں والی امب پائندہ خاں تنولی کی درخواست آئی کہ میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں اور جان و مال سے حاضر ہوں۔

حضرت سید صاحبؒ نے ملا شاہ سید اخوند زادہ اور سید مقیم کو پائندہ خاں والی امب کے پاس روانہ کیا تاکہ ان سے گفتگو کرکے حالات کا جائزہ لیں۔

اگرور اور پکھلی

حضرت سید صاحب نے پکھلی کے لیے ایک چھوٹا لشکر مرتب فرمایا اور مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ کو امیر لشکر مقرر کرکے روانہ کیا۔ اس لشکر کے لیے میاں سید محمد مقیم اور ان کے ساتھیوں کا انتخاب فرمایا اور ان کو کچھ گولہ بارود اور ہتھیار الگ سے دیے اور سرِ برہنہ ہو کر ان کے لیے دعا فرمائی اور رخصت فرمایا۔

مولانا محمد اسمٰعیل ستھانہ ہوتے ہوئے امب پہونچے سردار پائندہ خاں نے اپنے مکان سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا، اور اپنی رہائش گاہ سے کچھ فاصلہ پر

مجاہدین کو ٹھیرایا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے سردار پائندہ خاں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ بخوبی اندازہ کرلیا کہ والی امب جہاد میں کسی بھی طور پر شرکت کی ہمت نہیں رکھتا، اور نہ اس سے یہ امید ہے کہ مجاہدین کی رفاقت کرے گا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے دریائے سندھ کے کنارے جو مسلمان قبائل آباد تھے، مثلاً عیسیٰ زئی، امان زئی، جدون اتمان زئی ان میں جہاد کی ترغیب و دعوت کے لیے ملا عصمت اللہ اخوند زادہ اور مولوی عبداللہ خاں کو دو تین آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا اور ان کے ساتھ حضرت کا اعلام نامہ جو حضرت سید صاحب کی مہر سے مزین تھا اور ایک اپنا خط ارسال کیا اور خود لشکر کے ساتھ امب سے کوچ کرکے موضع نکا پانی، شیر گڑھ ہوتے ہوئے اگرور پہونچے۔

اگرور میں عبدالغفور خاں، ان کے بھائی کمال خاں، احمد خاں پکھلی والا، حیدر شاہ اور ارسلان خاں برادر زادہ عبدالغفور خاں سے ملاقات ہوئی اور ان سب نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کے ہاتھ پر حضرت سید صاحبؒ کی بیعت امامت کی۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ان خوانین سے کہا کہ مجاہدین کے مرکز کے لیے کوئی جگہ تجویز کی جائے، اس پر عبدالغفور خاں نے عرض کیا کہ گڑھی جسی کوٹ اور گڑھی شمدڑہ میرے قبضہ میں ہیں ان میں سے جو بھی آپ پسند کریں حاضر ہے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے تمام مصالح کو سامنے رکھ کر گڑھی شمدڑہ کا انتخاب کیا، اور علاقہ کے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے سید شاہ کو روانہ کیا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے علاقہ کے اکثر روسا، خوانین اور سرداران قبائل سے ملاقات کرنے اور تفصیل سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت سید صاحب کو جو تحریر کیا اس کا

خلاصہ درج ذیل ہے :

"لیکن حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ یہ خوانین زبانی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خاطر تواضع کی بات کرتے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے اس فقیر کے ہاتھ پر جناب کی بیعت امامت بھی کی ہے، لیکن ان کی باتوں سے صاف ٹپکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمانی غیرت، اسلامی حمیت اور قلبی اخلاص کا ایک ذرہ اور اطاعتِ الٰہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے، ان کا مطمحِ نظر اور منتہائے فکر محض دنیاوی مال و متاع کا حصول اور ہم چشموں پر تفوق و امتیاز ہے۔"

مولانا محمد اسماعیل مزید لکھتے ہیں :

"اس علاقہ کے جن خوانین سے میں مل چکا ہوں ان کے متعلق براہ راست اور ناصر خاں، حسن علی خاں اور سید محمد علی شاہ جن سے ابھی تک ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا، ان کے متعلق بطریق قیاس اندازہ ہے کہ ان سے لشکر اسلام کے شوکت و غلبہ کا ذریعہ بننے اور کفار سے ملاقات کرنے کے لیے کسی سلسلہ جنبانی کی امید نہیں، البتہ اگر ہم کو حشمت و شوکت حاصل ہو جائے، تو یہ ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن ان سے کسی نقصان اور مضرت کا اندیشہ بھی بعید ہے، ان کی حیثیت ان ساکتین اور قاعدین کی ہے کہ جو دل سے تو اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں، لیکن معرکۂ کارزار میں کوئی حصہ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

دسواں باب

ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں

اس اثناء میں مجاہدین نے ڈمگلا پر شب خون مارنے کی تیاری کی، یہ فوجی اہمیت کا مقام تھا۔

میاں مقیم کے تمام ساتھی اور تقریباً ڈیڑھ ہزار ملکی اس چھاپہ کے لیے تیار ہوئے، سکھوں کے لشکر کی تعداد پانچ چھ ہزار سے کم نہیں تھی۔

مجاہدین نے قریب آکر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور سکھوں پر زبردست حملہ کیا۔ اس وقت میاں مقیم اور ان کے ساتھی مجاہدین نے ایسی بہادری کا مظاہرہ کیا کہ دشمن دنگ رہ گئے، اور سکھوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور مجاہدین معمولی جانی نقصان اٹھا کر اپنے کیمپ واپس آ گئے۔

مجاہدین کے جذبۂ شہادت کی اعلیٰ مثال یہ ہے کہ جب انھوں نے اپنے زخمیوں کو اُٹھانا شروع کیا تو دو صاحب سید لطف علی اور عبدالخالق محمد آبادی جو زیادہ زخمی تھے جب ان کو لے چلنے کے لیے اٹھانا چاہا تو انھوں نے کہا کہ :

"ہمارے ہتھیار لے لو، اور ہم کو تکلیف نہ دو، ہم کو یہی میدان پسند ہے۔"

جنگ شنکیاری

ڈمگلہ کی جنگ کے بعد شام کو جب لشکر میں کھانے کا انتظام ہو رہا تھا کہ شنکیاری کی گڑھی سے سکھوں کا لشکر نکلا مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کو یہ گمان ہوا کہ دشمن مقابلہ پر آ رہا ہے، آپ نے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دے کر ان پر حملہ کیا، شروع میں سکھ گھبرا کر بھاگے، بعد میں واپس آ کر حملہ کرنے لگے، یہاں تک کہ تلواریں چلنے لگیں، اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی دلیری اور شجاعت دیکھنے کے قابل تھی، آپ نے تلوار سے لاش پر لاش بچھادی۔ منظورہ میں ہے کہ ایک سکھ تلوار کھینچ کر مولانا پر حملہ آور ہوا، آپ نے اس سے پہلے کہ وہ وار کرے، اس کو گولی سے ختم کر دیا، جب آپ دوسری بار بندوق بھر رہے تھے، اس وقت دوسرے شخص نے آپ پر حملہ کرنا چاہا، آپ نے اس کو بھی گولی سے اُڑا دیا، جب آپ تیسری بار بندوق بھر کر پیالہ میں رنجک ڈال رہے تھے، اس وقت ایک سکھ کی گولی آپ کی انگلی میں لگی، اس گولی کے صدمے سے آپ کا ہاتھ بندوق کے پیالہ سے جدا ہو گیا، اس حالت میں بھی آپ نے بندوق چلادی، لیکن جب آپ نے چوتھی بار بندوق بھرنے کا ارادہ کیا، تو اس زخمی انگلی سے اتنا خون بہا کہ بارود بھی تر ہو گئی، اور ہاتھ میں بندوق بھرنے کی طاقت بھی نہیں رہی، اس بے بسی کی حالت میں ایک سکھ نے ننگی تلوار سے مولانا پر حملہ کیا، مولانا نے اس کو ڈرانے کے واسطے خالی بندوق اس کے سامنے کر دی، وہ گھبرا کر بھاگ گیا، مولانا بار بار اپنی اس انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو یہ میری انگشت شہادت ہے۔

اس جنگ میں چھ سات آدمی مجاہدین کے اور سکھوں کے دو ڈھائی سو آدمی مارے گئے۔

واپسی

مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ اگرور میں مقیم تھے، اس اثناء میں حضرت سید صاحب

کا فرمان پہونچا کہ آپ جلد تشریف لے آئیں، چنانچہ آپ منزل پر منزل کرتے ہوئے پنجتار پہونچے، حضرت سید صاحب نے پنجتار سے آگے بڑھ کر مولانا اور ان کے ساتھیوں کا استقبال فرمایا، مولانا، سید صاحب کی سواری دیکھ کر تیز قدم اٹھاتے چلے اور آگے بڑھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور حضرت سید صاحب کے دست مبارک کو بوسہ دیا، اور دیگر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملے۔

ہندوستان سے مزید قافلوں کی آمد

ہندوستان کے بعض اہم علماء اور خواص متعدد قافلوں کے ساتھ جہاد و ہجرت کی نیت سے پنجتار پہونچے۔ ایک قافلہ حضرت سید صاحب کے بھانجے سید احمد علی صاحب رائے بریلوی کا، دوسرا قافلہ مولانا عنایت علی عظیم آبادی کا، تیسرا مولوی قمر الدین صاحب کا، چوتھا باقر علی صاحب کا، پانچواں عثمان علی صاحب کا، چھٹا مولانا مظہر علی عظیم آبادی کا، ساتواں مولوی خرم علی بلہوری کا، آٹھواں مولوی عبد القدوس کانپوری کا، نواں مولوی سید محمد علی رام پوری کا، دسواں مولوی عبد اللہ امروہی کا، گیارہواں حافظ قطب الدین پھلتی کا، بارہواں مولوی محبوب علی دہلوی صاحب کا، تیرہواں حکیم محمد اشرف دہلوی کا، چودہواں میرن شاہ نارنولی کا، پندرہواں مولوی عبد الحق نیوتنی کا۔ یہ قافلے جب درہ میں داخل ہوئے تو حضرت سید صاحب نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور مصافحہ و معانقہ کر کے ان کو اپنے ساتھ لائے۔

مولوی محبوب علی صاحب کی واپسی

مولوی محبوب علی صاحب دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ

کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ آپ کی ترغیب پر مجاہدین کا ایک قافلہ آپ کی رہنمائی میں جہاد وہجرت کے لیے روانہ ہوا، مولوی صاحب اپنی افتادِ طبع اور راستہ میں پیش آنے والے ناگوار خاطر امور کی بنا پر گرانی وتکدر کا شکار ہو گئے، اور لشکر میں پہونچ کر ان کی یہ گرانی اور تکدر بجائے کم ہونے کے بڑھتا گیا، اور ان کو لشکر کے انتظامات اور بعض دیگر باتوں پر اطمینان نہیں ہوا، اور انھوں نے برملا مجاہدین میں ایسی باتیں کیں جن سے تفرقہ وانتشار کی فضا پیدا ہو گئی۔ حضرت سید صاحبؒ نے ان کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کی بہت کوشش کی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا مولوی صاحب اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔

اس اختلاف اور انتشار سے حضرت سید صاحب بہت تنگ آ گئے، جب کسی طرح مولوی صاحب نہ سمجھے تو سید صاحب نے فرمایا: مولوی صاحب اس لشکرِ اسلام میں آپ نے اپنی نفسانیت سے تفرقہ ڈالا ہے اور تو میں کیا کہوں؟ میدانِ حشر میں آپ کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب کی ڈمگلا وشنکیاری سے واپسی سے پہلے ایک دن مولوی محبوب علی صاحب رات کو بے سلے اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے۔

جب مولانا تشریف لائے اور ان کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو بہت افسوس فرمایا اور کہا کہ اگر میرے آنے تک وہ توقف کرتے، تو ان کو میں سمجھاتا، انھوں نے سید صاحب کو پہچانا ہی نہیں۔

داعیوں اور مبلّغوں کی روانگی

حضرت سید صاحبؒ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اصلاح ودعوت جہاد کے لیے داعیوں اور مبلغوں کو روانہ فرمایا۔

بمبئی، محمد قاسم صاحب پانی پتی کو اور مولانا محمد علی رام پوری کو حیدرآباد دکن روانہ کیا، انھوں نے عرض کیا کہ نہ مجھے اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ کروں اور نہ اتنا سلیقہ ہے کہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کروں، یہ سُن کر آپ نے فرمایا، آپ جس بات کا عذر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر دور کر دے، پھر فرمایا میں اپنی زبان نکالتا ہوں اس کو آپ چاٹ لیں، انھوں نے ایسا ہی کیا۔

آپ نے مولانا کو وصیت کی کہ کلمۂ حق کہنے سے باز نہ رہیے گا۔ کوئی خوش ہو یا ناخوش، خیر وبرکت اسی میں ہے۔

کئی دن کے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو دکن روانہ فرمایا اور ان کو اپنا ملبوس خاص تاج کُرتا پائجامہ پہنا کر سینہ اور پُشت پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی، اور وصیت کی کہ کلمۂ حق کہنے میں کسی کا خوف ولحاظ نہ کرنا، اس کے بعد مولانا عنایت علی صاحب کو بنگالہ روانہ فرمایا، اور کہا انشا اللہ وہاں تمھارے ہاتھوں خدا کا بہت کام نکلے گا۔

ایک تبلیغی دورہ

پنجتار میں ارباب بہرام خاں[1] بیس پچیس سوار وپیادوں کے ساتھ آئے اور آپ سے بیعت کی، چند دن قیام کے بعد ان کی رائے ہوئی کہ آج کل کوئی مشغولیت نہیں ہے اس لیے اگر مناسب سمجھا جائے تو چند روز اس نواح میں دورہ فرمائیں اور جہاد کی ترغیب کے لیے وعظ ونصیحت فرمائیں۔ حضرت سید صاحب کو ان کی رائے پسند آئی اور آپ نے بیمار وکمزور

---

[1] ارباب بہرام خاں سرحد کے اہلِ تعلق ومخلصین میں سب پر نمایاں فوقیت وامتیاز رکھتے تھے بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

لوگوں کو پنجتار میں چھوڑا اور دورہ کے لیے روانہ ہوئے۔

اس دورہ میں شیوہ، چارگلی، موضع مہر علی، امان زئی، اسماعیلیہ، کالوخان، تلاندی، شیخ جانا مقامات پر تشریف لے گئے۔ ہر جگہ کثرت سے لوگ بیعت سے مشرف ہوئے اور لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی۔ اس دورہ میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ اس کے بعد آپ پنجتار واپس تشریف لائے۔ پنجتار واپس آنے کے بعد چند روز متواتر علاقہ کے خوانین و روساء سے مشورہ کے بعد آپ مع لشکر کھر تشریف لائے، اور وہاں ایک سال قیام فرمایا۔

مولانا عبدالحی صاحب کی وفات

مولانا عبدالحی صاحب کی طبیعت مسلسل خراب چل رہی تھی، روز بروز بیماری بڑھتی جاتی تھی، کبھی بے ہوش ہوجاتے کبھی ہوش آجاتا۔ یہ سن کر حضرت سید صاحب تشریف لائے، جب مولانا کو ہوش آیا، تو حضرت پر نگاہ پڑی، پہچانا، اور فرمایا کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں، اور میرے سینہ پر اپنا قدم مبارک رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھے نجات دے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے سینہ میں قرآن و حدیث کا علم ہے، یہ اس لائق نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم رکھوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا ہاتھ رکھ دیا، مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار اللہ الرفیق الاعلیٰ، اللہ الرفیق الاعلیٰ اپنی زبان سے کہا اور انتقال کیا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب اور دیگر رفقاء نے غسل دیا، حضرت سید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین عمل میں آئی۔

سید صاحب کا تیسرا نکاح

جنگ شیدو کے موقع پر یار محمد خاں کی طرف سے آپ کو جو زہر دیا گیا تھا، اس کا اثر

آپ کی طبیعت میں گرمی کی شکل میں ظاہر ہونا شروع ہوا، اطباء کی رائے نکاح کی ہوئی، آپ کی دونوں بیویاں سندھ میں تھیں، اُن کا آنا دشوار بلکہ ناممکن تھا، اس لیے ایک قاصد بھیج کر نکاح کی اجازت لی گئی کیونکہ آپ نے زوجۂ ثانیہ سے بغیر ان کی اجازت نکاح نہ کرنے کا وعدہ کر لیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد ان کا جواب آیا کہ آپ کو اجازت ہے۔

اجازت کے بعد آپ نے چترالی سیدزادی سے نکاح فرمایا۔

کھر کے قیام میں مشغولیات

کھر کے قیام میں مجاہدین نے جنگی مشقیں کرنے کی اجازت مانگی آپ نے بہت خوشی سے اجازت دی، بلکہ آپ خود بھی ان مشقوں میں شریک ہوئے جس کی وجہ سے مجاہدین میں مزید ذوق و شوق پیدا۔

سرحد کے ایک مخلص عالم

کھر کے قیام میں سرحد کے ایک ممتاز اور مخلص عالم مولوی سید محمد حبان خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے، بیعت کے بعد آپ نے اپنے ایک مرید نظام الدین اولیاء سے مولوی صاحب کو توجہ دلائی، توجہ کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ایک عالم شخص ہوں اور نظام الدین ایک عامی آدمی ہیں مگر ان کی توجہ سے ایسا فائدہ ہوا کہ تمام عمر کسی سے نہیں ہوا تھا۔ مجھے اب ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اندھے کی آنکھیں کھل جائیں۔ میں نے آج جانا کہ میں از سر نو آج مسلمان ہوا ہوں۔ حضرت نے فرمایا مولوی صاحب اللہ کے فضل سے آپ ہمیشہ سے مسلمان ہیں مگر اس کی حقیقت کا آج آپ کو احساس ہوا۔

مولوی صاحب اس کے بعد سے برابر حضرت سید صاحب کے ساتھ رہے۔ آپ نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی دیا۔ مردان کی جنگ میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔

اُتمان زئی کی جنگ

درّانیوں کے ستائے ہوئے کچھ لوگ حضرت سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ درّانیوں نے ہم کو ہمارے گھر بار سے نکال دیا ہے اور تمام اسباب لوٹ لیا ہے آپ ہمارا انتظام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا چند روز صبر کرو اور ٹھیرو، دیکھو اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔

کئی روز کے بعد یہ اطلاع آئی کہ درّانیوں کا لشکر اتمان زئی آیا ہوا ہے، اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

یہ اطلاع پاکر حضرت سید صاحب نے اس علاقہ کے علماء کو بلوایا اور ان کو درّانیوں کی تمام ریشہ دوانیاں، دین اور اہلِ دین کے خلاف ان کی شرارتیں اور بغاوتیں بیان کیں، اور جو جو نقصان انھوں نے تحریک جہاد کو پہونچائے ساری تفصیل بیان کی اور اس باب میں ان سے فتویٰ طلب کیا کہ آیا ان سے جہاد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کافی بحث مباحثہ کے بعد تمام علماء کا اس پر اتفاق ہوا کہ وہ باغی ہیں اور ان سے لڑنا شرعاً درست ہے۔ جب تمام علماء کا اس پر اتفاق ہوگیا تو مشورہ ہوا کہ اتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے تو حضرت سید صاحب نے مجاہدوں کو تیاری کرنے کا حکم دیا، عصر کی نماز کے بعد آپ نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی اور دعا و مصافحہ کے بعد سب کو رخصت کیا۔

مجاہدین ایک رہبر کی رہنمائی میں روانہ ہوئے، آگے چل کر رہبر سے راستہ چھوٹ گیا، وہاں کوسوں میدان ہی میدان تھا، رات بھر لشکر سرگرداں رہا، یہاں تک کہ سورج

نکل آیا۔ تپش بڑھنی شروع ہوئی لیکن راستہ کا پتہ ہی نہ تھا، پانی جو کچھ ساتھ تھا سب ختم ہوگیا، لوگ پیاس کی شدت سے سخت ہراساں و پریشان تھے لگتا تھا کہ پیاس سے سب ہلاک ہو جائیں گے دوپہر کا وقت ہوگیا، پانی کی امید میں جدھر جاتے، مایوسی ہاتھ آتی کہ یکایک رہبر نے کہا، سامنے دو کوس پر گوجروں کی چراگاہ ہے، تھوڑی دور جانے کے بعد چند گھر بھی دکھائی دینے لگے، لیکن لوگوں کا یہ حال ہو چکا تھا کہ جو مضبوط اور عالی حوصلہ تھے وہ تو چلتے رہے باقی لوگ مختلف جھاڑیوں کے نیچے نڈھال ہو کر گر پڑے، جب گوجروں کو معلوم ہوا کہ حضرت سید صاحب کے لوگ ہیں تو وہ پانی، دہی اور چھاچ لے کر دوڑے اور لوگوں کو پلانا شروع کیا یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے۔

اسی روز حضرت سید صاحب دو تین سو آدمیوں کے ساتھ چراگاہ پہنچے۔ مجاہدین آپ کو دیکھتے ہی ساری تکان اور مصیبتیں بھول گئے۔ حضرت نے تمام واقعہ سن کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے آزماتا ہے، بھوک سے پیاس سے، خوف سے، نقصان مال و جان سے، جو صبر کرکے ان بلاؤں کو سہتا ہے اور دین کے راستہ پر ثابت قدم رہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بڑے بڑے درجے اور مرتبے عنایت فرماتا ہے۔ یہ کہتے کہتے دفعتہً دریائے محبت الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہوکر دعا فرمانے لگے۔ اس وقت مجاہدین کا عجب حال تھا، دن بھر کی تکلیف خواب وخیال ہوگئی تھی۔

شب خون

آپ نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم فرماکر ایک مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے

سپرد کیا اور فرمایا آپ جا کر درّانیوں پر شب خون ماریئے اور ایک حصہ کو لے کر موضع
اتمان زئی کی طرف خود روانہ ہوئے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب اپنا لشکر لے کر درّانیوں کے قریب پہنچے اور حملہ کر دیا۔
درانیوں نے توپوں سے گولہ باری شروع کر دی، مگر مجاہدین نے زبردست حملہ کر کے
بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا اور توپوں پر قبضہ کر لیا، ایک گولہ انداز مارا گیا اور مجاہدین میں
سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ شہید، درّانی لشکر میدان سے بھاگ نکلا اور پہاڑی ٹیلوں کی آڑ
سے بندوقیں اور شاہینیں چلانے لگا۔ یہ سلسلہ تمام دن جاری رہا یہاں تک کہ مغرب کا
وقت آگیا اور مجاہدین نے دو حصوں میں بٹ کر باجماعت نماز ادا کی۔

اس اثناء میں اتمان زئی کا عالم خاں جس کی دعوت پر اسلامی لشکر گیا تھا اس کا بیٹا اپنے
لشکر کے ساتھ درّانیوں سے مل گیا۔ عالم خاں نے آکر حضرت سید صاحب سے صورت حال
عرض کی۔ حضرت سید صاحب کو علم ہو چکا تھا کہ عالم خاں کی نیّت میں فتور آچکا ہے۔ آپ نے
فرمایا: "خان بھائی تم اپنے گھر جا کر تسلّی سے بیٹھو، ہم کو تمہارے بیٹے اور کسی دوسرے کی پرواہ
نہیں کہ کوئی ہماری مدد کرے ہم کو اللہ کافی ہے۔

آپ نے رفقاء سے مشورہ کے بعد چند لوگوں کو وہیں مقرر کیا تاکہ دشمن کو روکے
رکھیں اور خود لشکر کے ساتھ وہاں سے چل کر جلالہ پہنچے۔

جلالہ سے آپ مع لشکر خہر واپس آئے، اور چند روز کے بعد ترغیب جہاد کے لیے
ایک سفارت شاہ بخارا کے لیے روانہ کی اور اس کے لیے ایک مطلا قرآن مجید بطور تحفہ بھیجا۔

گیارہواں باب

بیعت امامت کی تجدید اور شرعی نظام کا قیام

ملکیوں کے رویہ اور اب تک رونما ہونے والے حالات اور واقعات کو دیکھ کر حضرت
کے دل میں یہ خیال اور پختہ ہوا کہ باقاعدہ شرعی جہاد اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس علاقہ پر ایک
باقاعدہ شرعی نظام قائم کیا جائے اور رسوم جاہلی و افغانی کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے جو
اسلامی نظام کے متوازی حیثیت رکھنے کی وجہ سے شریعت اسلامی کی ترویج کی راہ میں حائل
ہوتی ہیں۔ جب ان رسوم جاہلی و افغانی سے نجات مل جائے گی تو سارے عوام اس نظام شرعی
کے تحت ہو جائیں گے تبھی جہاد کا نظام بخوبی قائم ہو سکے گا۔

اس بنا پر خہر میں پوری وضاحت کے ساتھ نظام شرعی کے قیام کی دعوت دی گئی
اور سادات، علماء، مشائخ، عوام و خواص سب نے بیعت کی اور احکام شرعیہ کے اجراء کا
عہد کیا، لیکن چونکہ سب نے فرداً فرداً بیعت کی تھی اور مسلمانوں کے اولی الامر اصحاب یا کسی
جماعت نے باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی اس لیے حضرت سید صاحب اس سے مطمئن نہیں ہوئے
اور کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کرنے لگے۔

خہرے پنجتار منتقلی

اسی اثنا میں سردار اشرف خاں زیدہ والے اور سردار فتح خاں پنجتاری کے دعوت نامے پہنچے کہ حضرت یہاں تشریف لائیں ہم احکامِ شریعت کی مکمل پابندی کرنے اور اپنی رعیت پر اس کو جاری کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

متعدد خطوط آنے کے بعد حضرت سید صاحب نے خہرے پنجتار کا ارادہ فرمایا، راستہ میں موضع ڈاگئی میں علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں منصبِ امامت پر بہت بحث و مباحثہ کے بعد علماء کا اس پر اتفاق ہوا کہ ہم سے اس معاملہ میں بہت تساہلی اور غفلت سرزد ہوئی اور انھوں نے قوم کے سربرآوردہ افراد کو بھی بہت ملامت کی، اس کے بعد تمام علماء نے جو تعداد میں دو سو کے قریب تھے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اس کے بعد حاضرینِ مجلس نے جن میں دیگر مشائخ و خوانین اور سردارانِ قبائل تھے بیعت کی۔

اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد آپ پنجتار تشریف لائے، اور فتح خاں پنجتاری سے صاف صاف فرمایا کہ صلح و جنگ میں ہماری شرکت اور تمہارے وطن کی سکونت کی شرط یہی ہے کہ ریاست و سیاست کی تمام رسوم اور باقی تمام خلافِ شرع رسم و آئین جو محض حصولِ مال و جاہ کی غرض سے چلی آرہی ہیں یک قلم ترک ہوجائیں، اور تم اپنے کو معمولی آدمی کی طرح ہمارے نظام کے تابع کردو اور احکامِ شرع کے اجراء میں اپنے احباب و اعزہ کی پاسداری کا خیال بالکل چھوڑ دو، اور مال و دولت کے حصول کے تمام خلافِ شرع راستوں اور ذرائع سے دست بردار ہوجاؤ اور معاش اور گزران کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کفالت پر توکل کرو۔

چند روز کے بعد علماء و رؤساء اور خوانین کا ایک بڑا اجتماع ہوا جن کی تعداد دو ہزار

کے قریب تھی۔ اس اجتماع میں آپ نے فتح خاں کو پھر وہی مضمون سمجھایا۔

آخرکار فتح خاں نے بہت غور و فکر کے بعد کہا کہ اگرچہ اس کا اقرار و معاہدہ بڑا دشوار کام ہے کہ جاہ و دولت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا، معاش کے دروازے بھی بند کرنے ہوں گے، اور مروجہ رسوم کو جو سیکڑوں برس سے جاری ہیں ترک کرکے پٹھانوں سے لڑائی مول لینی پڑے گی، لیکن محض للہ فی اللہ، اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کی کفالت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے اس ذمہ داری کو جان و دل سے قبول کیا۔

اس روز آپ نے علماء کو حکم دیا کہ جو بیعت امامت وہ پہلے کرچکے ہیں اس مجمع میں اس کی پھر تجدید کریں، چنانچہ ان لوگوں نے پھر بیعت کی تجدید کی، اس کے بعد تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قاضیوں کا تقرر

اس موقع پر مولانا سید محمد میر کو اضلاع پنجتار کا قاضی مقرر کیا گیا، اور ایک دوسرے عالم ملا قطب الدین ننگرہاری کو محکمۂ احتساب سپرد کیا گیا۔

اس طرح احکامِ شریعت کے اجراء کا عمل شروع ہوا، اور مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے۔ اس احتساب اور اجرائے احکامِ شریعت کا یہ اثر ہوا کہ پورے علاقے سے جرائم کا خاتمہ ہوگیا، نماز کی پابندی عام ہوگئی تھی اور پورے علاقہ میں بے نمازی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا، امن و امان اور خوش حالی و فارغ البالی کا دور دورہ ہوگیا اور ایمان و یقین کی بادِ بہاری نے پوری فضا کو منور بنادیا۔

بارہواں باب

سکھ لشکر کی آمد، شکست، علما مشائخ کا اجتماع

خادی خاں والی ہنڈ، جو اس علاقہ کا ایک با اثر سردار تھا وہ مجاہدین کے قیام پنجتار کی وجہ سے، جس سے سردار فتح خان پنجتاری کا اثر و رسوخ بڑھ رہا تھا برابر کبیدہ خاطر ہوتا جا رہا تھا، اس کے علاوہ خادی خاں افغانی رسوم و آئین کا سختی سے پابند اور پوری قوت سے موید تھا، شریعت کے نفاذ اور اسلامی قوانین کے اجراء کو اپنی راہ کا پتھر سمجھتا تھا، اس نے بجائے اس کی حمایت کے سکھوں کے ساتھ اپنے رشتے استوار کیے اور ان کو اس [illegible] کیا کہ وہ پنجتار پر حملہ کریں، اس کے علاوہ جو مجاہدین ہندوستان سے آتے تھے ان کو راستہ میں روک کر تنگ کرتا تھا، اور ان کا سامان چھین لیتا تھا۔

سکھ لشکر کی آمد

رنجیت سنگھ کا فرانسیسی فوجی افسر ڈینٹورا، خادی خاں کے اُکسانے سے فوج لے کر سمہ کے علاقہ میں، وہاں کے روسا و خوانین سے سالانہ خراج وصول کرنے کے بہانہ آیا، اس کے آنے کی خبر سُن کر علاقہ کے لوگ اپنا اپنا سامان لے کے پہاڑوں پر پناہ لینے لگے۔

خادی خاں نے فتح خاں کو پیغام بھیجا کہ تم بھی نذرانہ لے کر ڈینٹورا کے پاس آؤ۔

پیغام جب فتح خاں کو ملا تو اس نے سخت جواب دیا کہ میں نے نہ کبھی نذرانہ دیا ہے نہ آئندہ دوں گا۔ سکھوں کا لشکر اگر آئے گا تو اس کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔ یہ سخت جواب پا کر خادی خاں نے ڈینٹورا سے کہا کہ یہ جواب دینے کی فتح خاں کی ہمت نہیں ہے وہ صرف سید بادشاہ کے بھروسہ پر یہ باتیں کرتا ہے۔

ڈینٹورا کی حضرت سید صاحب سے خط و کتابت

ڈینٹورا نے حضرت سید صاحب کو خط بھیجا جس میں لکھا کہ "آپ سید عالی خاندان، حاجی و غازی، باخدا اور بڑے صاحب تاثیر ہیں اور اس ملک کے لاکھوں آدمی آپ کے مرید ہیں، ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کی ذات میں کسی طور کا شر و فساد اور خلق اللہ کی ایذا رسانی کا خیال نہیں ہے یہ ملک خالصہ جی کے زیرِ حکومت اور مہاراجہ رنجیت کی عملداری میں ہے۔ یہ سمہ کے رئیس، ہمارے خالصہ جی کو ہمیشہ سے نعل بندی دیتے رہے ہیں، مگر جب سے آپ اس ملک میں تشریف لائے ہیں، تب سے یہ تمام لوگ ہم سے منحرف ہو گئے اور نعل بندی دینے میں پس و پیش کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہمیں اس ملک میں آپ کے آنے کا ارادہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوا، اس کا جواب ہمیں ضرور دیں۔

حضرت سید صاحب نے جواب میں لکھا:

"تمہارا خط آیا، تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم جس طرح اپنے حاکم کے تابعدار ہو، جہاں وہ حکم کرتا ہے، وہاں جاتے ہو اور حتی الامکان اس کے فرمان بجا لاتے ہو، تاکہ وہ تم سے راضی ہو، اس طرح میں بھی اپنے آقائے عالی جاہ شہنشاہ عالم پناہ کا ایک ادنیٰ فرماں بردار ہوں، جو کچھ وہ احکم الحاکمین فرماتا ہے

kalahazrat@gmail.com

اس کو بجالاتا ہوں، اور اسی حاکم برحق اور قادرِ مطلق کے حکم سے میں اس ملک میں آیا ہوں، اسی کی طرف سے ہر ایک کو دعوتِ اسلام دیتا ہوں، جو قبول کرے گا وہ میرا بھائی ہے، میں اس کا بھائی ہوں، تم اہلِ کتاب ہو ان باتوں کو خوب سمجھتے ہو، یہی دعوت تم کو بھی ہے اور تمہارے آقا رنجیت سنگھ کو بھی، اور دعوتِ اسلام کا یہ اعلام نامہ پہلے ہم نے بدھ سنگھ کو لکھا تھا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ملک تمہارے خالصہ جی کا ہے، سو یہ تمہارا دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے کہ یہ ملک مسلمانوں کا ہے، اس میں تمہارے خالصہ جی کا کیا دخل ؟ دوسرے تمام ملک مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ کے قبضہ و تصرف میں ہیں، وہ جس کی تلوار کو زور دیتا ہے، وہ لے لیتا ہے۔ یہاں جو ہم لوگ آئے ہیں کچھ سمجھ بوجھ کر آئے ہیں، اور اس بات کو تم بھی جانتے ہو کہ کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر قوت و ہمت دے، تو حتی الامکان ملک کو کفر سے پاک کریں، اور اسلام کو رواج دیں، اور کافروں کے ظلم سے مسلمانوں کو بچائیں، تم لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے ظلم و جور سے تباہ کیا ہے اور بے شمار مسجدوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے، اول تو ہم تم کو اسلام کی دعوت دیں گے، اگر تم قبول کرو گے تو ہمارے بھائی ہوئے، تمہارا ملک تم کو مبارک رہے، اگر نہیں مانو گے تو ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے۔"

اس کے ساتھ آپ نے مولوی خیر الدین صاحب کو بھی ڈینٹورا کے پاس بھیجا، تاکہ وہ مفصل گفتگو کر کے اپنے مقاصد کی وضاحت کریں، ڈینٹورا نے مولوی صاحب کو مرعوب کرنے کی کوشش کی، لیکن مولوی صاحب نے پوری ذمہ داری اور حسبِ ضرورت

سختی کے ساتھ جواب دیے اور اس پر واضح کر دیا کہ اسلامی لشکر تمہاری کسی بھی کارروائی کا جواب دینے کے لیے تیار ہے۔ اس گفتگو کے بعد مولوی صاحب لشکر میں واپس آئے۔

ڈینٹورا کی پسپائی

اگلے روز حضرت سید صاحب نے مولوی صاحب کو تین سو مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا، جب یہ لشکر سکھوں کے لشکر کے قریب پہنچا تو ڈینٹورا پر دہشت سوار ہو گئی اور وہ جو سامان ساتھ لے سکا لے کر باقی ڈیرہ ہتھیار و اسباب چھوڑ کر مع فوج فرار ہو گیا اور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب کی سرحد میں داخل ہو گیا۔

قلعہ اٹک پر مہم اور اس کی واپسی

اس کے بعد آپ نے قلعۂ اٹک پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا اور اس کے لیے ارباب بہرام خاں کو امیر مقرر کر کے مجاہدین کو روانہ فرمایا ابھی مجاہدین وہاں پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ خادی خاں نے قلعہ دار لالہ خزانہ مل کو اطلاع دی کہ تمہارے یہاں کے ملازموں نے سید بادشاہ کو قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے بلایا ہے۔ قلعہ دار نے ان ملازموں کو جو اس مہم میں شامل تھے گرفتار کر کے ان میں سے ایک کو توپ سے اڑا دیا، اور باقی کو قید کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ قیدی رہا ہو کر پنجتار پہنچے اور حضرت سید صاحب کو تمام واقعات سے باخبر کیا۔

مسلمانوں کی نا اتفاقی کا شکوہ

کچھ دنوں کے بعد حضرت سید صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل، سید احمد علی، ارباب

بہرام خاں، مولوی محمد حسن اور فتح خاں پنجتاری کو بلایا اور خان موصوف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "خان بھائی ہم نے تم کو اس مشورہ کے واسطے بلایا ہے کہ ہم لوگ اس ملک میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں، اور یہاں کے مسلمان بھائیوں کی نااتفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کفار کے زیر کرنے کی کوئی صورت نکالتے ہیں، تو انہی مسلمانوں میں سے ایک ایک دشمنوں کا حامی بن کر آڑے آتا ہے، اور ان کو خبر کر دیتا ہے، چنانچہ شیدو کی لڑائی میں جس میں اسی نوے ہزار آدمی ہماری طرف کے جمع تھے، سردار یار محمد خاں کی شرارت سے شکست ہو گئی، اور مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ ہوئی اسی طرح سے خادی خاں نے چند مہینوں سے کیسی کیسی بے جا حرکتیں کرنی شروع کی ہیں، چنانچہ تم کو خود معلوم ہے کہ جو غازی ہندوستان سے جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کر کے آتا ہے، سکھوں کے ملک سے زندہ سلامت چلا آتا ہے، مگر ان کے ہاتھ سے کسی طرح نہیں بچتا، کسی کو لوٹ کر دریائے سندھ میں غوطے دیتے ہیں، کسی کا مال و اسباب چھین کر بزور بخشواتے ہیں، سردار اشرف خاں مرحوم پر انھوں نے محض اس وجہ سے فوج کشی کی کہ وہ خان مرحوم ہم سے موافق تھا، اس کے بعد یہ فساد کیا کہ ڈھنڈورا فرانسیسی کو چڑھا لائے، اس کے بعد ایک تازہ فساد یہ کیا کہ اِدھر سے اٹک پر ہمارا چھاپہ چلا، اُدھر سے خادی خاں نے اپنا آدمی بھیج کر وہاں کے قلعہ دار کو خبر کر دی، اس نے جو شرارتیں ہمارے ساتھ کی ہیں، اس کی کدورت ہمارے دل میں بالکل نہیں ہے، جو کچھ اس نے کیا اپنے واسطے کیا، جو جیسا کرے گا اپنے واسطے کرے گا۔ مقصود یہ ہے کہ اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ مسلمانوں میں اتفاق ہو، جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا کام نکلے، اور دینِ اسلام کو ترقی ہو۔"

فتح خاں نے یہ سن کر عرض کیا کہ میری رائے میں یہ آیا ہے کہ آپ ملک سمہ کے

سادات علماء اور خوانین کو جمع کریں اور یہ بات ان کو سمجھائیں ان سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ کو امیر المومنین تسلیم کیا ہے۔ فتح خاں کا یہ مشورہ آپ کو پسند آیا اور فتح خاں کی اس رائے کے مطابق اس علاقہ کے سادات علماء اور خوانین کو بلایا گیا، قریب گیارہ سو لوگ جمع ہوئے جن میں خادی خاں بھی شامل تھا، جمعہ کی نماز حضرت سید صاحب نے پڑھائی اور نماز کے بعد اول اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کو طرح طرح سے بیان کیا، اس کے بعد فرمایا:

"آپ سب اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ دنیا میں لوگ اپنی معاش اور میراث حاصل کرنے میں کیسی کیسی کوششیں اور جاں فشانی کرتے ہیں اور اس رنج کو راحت جان کر ہرگز نہیں گھبراتے، فقط اس خیال سے کہ اگر وہ معاش اور میراث ہاتھ آجائے گی تو چین سے کھائیں گے، اور یہ امر موہوم ہے، اور اگر یہ امر خواہش کے موافق حاصل ہوا تو خیر، نہیں تو کچھ نہیں، لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے، جو دین کی دولت ہے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی فلاح، اسلام کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ لوگ غافل ہیں، مجھ کو جناب باری تعالیٰ سے ارشاد ہوا کہ، تو دار الحرب ہندوستان سے ہجرت کر کے دار الامن میں جا، اور کفار سے جہاد فی سبیل اللہ کر، میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں، اور جہاد کی تدبیر کروں، باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں ملک ہند واقع ہوا ہے، کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی، کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اسی ملک میں جہاد کرو، جو کچھ مال خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو، ہم دیں گے، مگر مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لیے کہ جہاد سنت کے موافق چاہیے،

بلوہ کرنا منظور نہیں ہے، تمہارے اس ملک کے ولایتی بھائی، وہاں حاضر تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کے واسطے بہت خوب ہے، اگر وہاں چل کر کسی ملک میں قیام اختیار کریں، تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے خصوصًا اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے، اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے، جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں اور بچوں کو پکڑ لے جاتے ہیں، اور اپنے ملک پنجاب میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں اور پنجاب میں وہ مسلمانوں کو اذان بھی کہنے نہیں دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤکشی کا تو کیا ذکر، جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی، اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔

یہ سن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے، وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں، اور ان کے ظلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں، سو محض اسی ارادہ سے تمہارے اس ملک میں ہم آئے ہیں، تم سب نے اللہ کے واسطے میرے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی، اپنا امام گردانا اور تم ہی سب نے جہاد کا کام مجھ سے شروع کرایا اور اب تم ہی لوگ اس میں کوشش اور تندہی نہیں کرتے، بلکہ تم ہی لوگوں میں سے بعض بعض اس امر میں حارج ہوتے ہیں تم عالم اور وارث انبیا کہلاتے ہو، تم کو لازم ہے کہ سب مل کر اس میں کوشش اور جاں فشانی کرو کہ اسلام کی ترقی ہو۔"

آپ کی اس پُراثر تقریر سے مجمع پر بہت اثر پڑا، اکثر لوگ زار و قطار روتے تھے

بعض غم زدہ عالم سکوت میں تھے۔ اس کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے تقریر کی اور اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے بیان کیا، اور کہا:

"اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو،
اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی	اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں جو
الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (سورۂ نساء ۵۹)	صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سید احمد صاحب کو امام زماں اور ہادیٔ دوراں کیا ہے، اور آپ سب علماء کرام، سادات عظام اور خوانین ذوی الاحترام نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی ہے، اب جو کوئی بیعت کرنے اور اپنا امام تسلیم کرنے کے باوجود ان کی اطاعت نہ کرے، بلکہ اس کے خلاف عمل کرے، تو آپ سب علماء دین کے نزدیک اس کا حکم کیا ہے؟"

علماء نے کہا کہ وہ شخص مجرم اور عند اللہ و عند الناس قصوروار ہے۔ یہ سُن کر مولانا نے فرمایا کہ:

"مجرم کیسا؟ بلکہ وہ صاف صاف باغی ہے اور اگر تائب نہ ہو تو اس پر جہاد ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ صاف صاف درج ہے۔"

علماء نے اقرار کیا کہ آپ سچ کہتے ہیں، بے شک ہم سب اس امر میں خطاوار ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اس مسئلہ سے آگاہ نہیں کیا۔ اب ہم توبہ کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ آئندہ اس امر میں تساہل و تغافل نہ کریں گے۔

اس کے بعد مولانا نے دعا فرمائی، خادی خاں بھی اس مجلس میں شریک تھا، لیکن وہ

دعا میں شریک نہیں ہوا، ناخوش ہو کر اٹھ گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت سید صاحب نے خادی خاں کو بلایا اور اس کو علما کی موجودگی میں سمجھایا کہ جس بات پر علما نے اتفاق کیا ہے اس سے اختلاف نہ کرو، اسی میں تمہاری دین و دنیا کی بہتری ہے، لیکن خادی خاں نے اس کا جواب متکبرانہ انداز سے دیا کہ ہم پٹھان لوگ ہیں، ریاست ہمارا کام ہے، یہ مشورہ ملاؤں نے کیا ہے جو ہمارے یہاں خیرات کے کھانے والے ہیں، ریاست کے معاملات کا ان کو کیا شعور، یہ ہمارے تابع ہیں ہم ان کے تابع نہیں۔

خادی خاں کی یہ بے ہودہ بات سُن کر حضرت سید صاحب کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا: "علما وارث انبیا اور ہادیٔ دین ہیں، ان کی شان میں اہانت آمیز کلام کمال نادانی اور بے ادبی ہے، دینی و دنیوی معاملات یہی لوگ خوب سمجھتے ہیں، جو کچھ یہ لوگ دین یا دنیا کی اصلاح کے واسطے خدا و رسول کے حکم کے موافق فرمائیں، سب مسلمانوں کو جان و دل سے ماننا چاہیے۔"

خادی خاں نے کہا ہم لوگ پشتون بے علم ہیں، ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم پر جو سمجھانے کا حق تھا وہ ادا کیا چاہے مانو یا نہ مانو۔ اب ایک بات یہ بھی سن لو کہ تم نے حد شریعت سے اپنا قدم باہر نکالا، فقط اس خیال خام سے کہ ہم اس ملک کے خان ہیں، ہماری قوم اور جمعیت بہت ہے، ہمارا کوئی کیا کر سکے گا، سو یہ گمراہی اور شیطان کا فریب ہے، اللہ تعالیٰ بڑا قادر اور بڑی طاقت والا ہے، بڑے بڑے سرکشوں اور مفسدوں کے سر اس نے ایک دم میں توڑ دیے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا کہ کسی روز ان شاء اللہ تم سوتے سوتے اٹھو گے اور دیکھو گے کہ ہمارے قلعہ میں کسی اور کا انتظام ہو رہا ہے اور کسی جگہ کتے کی طرح مردار پڑے ہو گے۔

لیکن خادی خاں پر کسی بات کا اثر نہ ہوا، اور وہ حضرت سید صاحب سے رخصت ہو کر ہنڈ چلا گیا۔

جنگ پنجتار

کئی مہینے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کا فوجی افسر ڈینٹورا دوبارہ ایک زبردست لاؤ لشکر کے ساتھ حضرو میں داخل ہوا، خادی خاں نے حاضر ہو کر گھوڑا، باز اور کتا اس کو نذر میں دیا اور اس سے کہا کہ سید صاحب کی وجہ سے اس ملک کے لوگ آپ سے منحرف ہیں، اگر آپ اپنا اقتدار بحال کرنا چاہتے ہیں تو آگے بڑھیے میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا، خادی خاں کے اُکسانے پر بیش قدمی پر تیار ہو کر دریا پار اُترا، اس وقت اس کے ساتھ دس ہزار فوجی تھے۔

مقابلہ کی تیاریاں

حضرت سید صاحب نے سردار فتح خاں کو بُلا کر فرمایا کہ خادی خاں سکھ لشکر کو اس پار اُتار لایا ہے، تمہاری قوم کے جو لوگ تمہارے شریک ہوں ان کو خطوط بھیجو، ان کے علاوہ علما و مشائخ اور خوانین جو ہم سے اتفاق کر گئے ہیں ان کو بھی خطوط لکھ کر بلواؤ، فتح خاں نے اسی روز خطوط لکھوا کر روانہ کیے۔

حضرت سید صاحب پنجتار کے دورہ پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر جنگی صورت حال کا جائزہ لے کر فرمایا کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان چار ہاتھ چوڑی سنگین قدِ آدم دیوار بنائی جائے۔

لگے روز فتح خاں تمام لوگوں کو لے کر آ گئے، اور دیوار بنانا شروع کی، دوسرے روز تک دیوار تیار ہو گئی۔ حضرت سید صاحب نے معائنہ فرمایا اور فتح خاں کو بہت شاباشی دی۔

پھر آپ نے وہاں چار جگہ پہرے مقرر فرمائے، اور آپ کے فرمانے کے بموجب مجاہدین جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوئے، تین چار روز کے بعد سکھ لشکر درے کے سامنے آ پہونچا، راستہ میں جتنے گاؤں پڑتے تھے وہ سکھوں نے جلا ڈالے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان

اس موقع پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بیعت الرضوان والی آیت تلاوت کی اور اس کے فضائل بیان کیے، اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت سب صاحب جو حاضر ہیں حضرت امیر المومنین کے دست مبارک پر خالص اس نیت سے بیعت کریں کہ ہم انشاء اللہ میدان سے نہ ہٹیں گے، یا کفار کو مار کر فتح پائیں گے، یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اس میں جو صاحب مشیت ایزدی سے شہید ہوں گے، وہ شہادت کبریٰ کا درجہ پائیں گے اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مرتبہ کے غازی ہوں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سُن کر لوگوں پر بڑی بشاشت اور سرور طاری ہوا اور سب سے پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنا ہاتھ حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر رکھا اس کے بعد اور صاحبوں نے اپنا اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ پر رکھا اور بیعت کے جو الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوتے تھے، وہی سب کہتے جاتے تھے۔

بیعت لینے کے بعد آپ نے سر کھول کر بڑی عجز و زاری کے ساتھ دعا فرمائی۔

"الٰہی! ہم تیرے عاجز و ناچار بندے صرف تیری مدد کے امیدوار ہیں، ہم پر ان

کافروں کو نہ لا، اور ہم کو ان کے شر سے بچا، اور اگر تیری مشیت ازلی میں لانا ہی منظور ہو، تو ہم عاجزوں اور ضعیفوں کو صبر و استقامت عطا کر اور ان کے مقابلہ ثابت قدم رکھ۔"

دعا کے بعد مجاہدین ایک دوسرے سے گلے ملے، خطائیں معاف کرائیں، اس کے بعد حضرت سید صاحب نے جنگی پوشاک پہنی، ہتھیار لگائے اور فرمایا کہ سب بھائی سورۂ لایلٰف گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں، اور اسی کا ورد رکھیں، یہ فرما کر اپنی رائفل دیوار سے لگا کر کھڑی کی اور متوجہ الی اللہ ہو گئے۔

جنگ اور فتح

ڈینٹورا فوج لے کر آگے بڑھا اور اس نے دوربین لگا کر دیکھا، تو اس کو پہاڑوں اور دروں پر مجاہدین کے پرے کے پرے نظر آئے یہ دیکھ کر اس پر خوف طاری ہوا اور اس نے خادی خاں سے کہا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ یہ کہہ کر اس نے سکھوں کو دیوار گرانے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سید صاحب نے سواروں کو آگے بڑھنے اور شاہینیں چلانے کو کہا، اور شاہینیں چلتے ہی پہاڑوں سے اتر کر مجاہدین نے حملہ شروع کیا، ہر طرف سے مجاہدین کی یورش دیکھ ڈینٹورا اپنی فوج لے کر بھاگا اور مجاہدین نے درۂ پنجتار تک اس کا تعاقب کیا، اگلے روز اطلاع ملی کہ سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہو گیا۔

ہنڈ کی تسخیر

حضرت سید صاحب نے ایک بار پھر خادی خاں کو دعوت دی کہ کسی طرح وہ

kalahazrat@gmail.com

شریعت کی حکمرانی کو تسلیم کرے اور اس کے لیے آپ نے خود زحمت کر کے پنجتار سے سفر کیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس سے ملاقات اور افہام و تفہیم کے لیے بھیجا۔ مولانا نے ہر طرح اس کو سمجھایا، مگر وہ نہ مانا اور نہایت سرکشی سے اس نے جواب دیا کہ "ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سید بادشاہ کی طرح مولوی مُلّا نہیں، ہماری شریعت جُدا ہے ان کی جُدا۔ ان کی شریعت پر ہم پٹھان لوگ کہاں چل سکتے ہیں، ہمارے حق میں ان سے جو ہو سکے اس سے دریغ نہ کریں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اس گفتگو کے بعد واپس تشریف لائے اور حضرت سید صاحب کو ملاقات کی روداد سے آگاہ کیا۔

خادی خاں کا رویہ اب اسلامی حکومت اور شریعت کے نفاذ میں بہت نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا اور علاقہ میں اس کے اس رویہ کی وجہ سے عوام پر بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ مذبذب قبائل اور لیت و لعل میں گرفتار لوگوں کے لیے یہ ایک بڑا بہانہ بن رہا تھا۔

اس کے علاوہ اس نے سکھ لشکر کو دوبار مجاہدین پر حملہ کرنے کی ترغیب دے کر اسلام اور شعائر دین کی بڑی توہین کی تھی، اس لیے اب ضروری تھا کہ خادی خاں کے فتنہ کا استیصال کیا جائے اور اس طرح ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے، جو اس کے ذریعہ اشاعتِ دین کی راہ میں آ رہی تھیں۔

ہنڈ کی فتح

حضرت سید صاحب نے پانچ سو چست و چالاک اور آزمودہ کار غازی منتخب کر کے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت میں دیے اور ارباب بہرام خاں کو ان کا نائب مقرر کیا اور اس لشکر کو خادی خاں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ خادی خاں کے چچا محمد بیگ خاں کی رہبری

میں یہ لشکر روانہ ہوا۔ سات کوس کی یہ مسافت رات بھر میں طے ہوئی۔

صبح ہونے سے کچھ قبل لشکر ہنڈ کے قلعہ پر پہنچ گیا، مولانا نے پچیس مجاہدوں کو قلعہ کے قریب پہنچا دیا اور فرمایا کہ جیسے ہی قلعہ کا دروازہ کھلے، تم لوگ یکبارگی حملہ کر کے قلعہ میں داخل ہو جانا۔ قلعہ کا دروازہ کھلتے ہی مجاہدوں نے حملہ کر دیا اور چند دربان اس حملہ میں مقتول ہوئے، باقی بھاگ گئے، مجاہدوں نے قلعہ کے دروازوں پر قبضہ کر لیا اور اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا۔

خادی خاں کو جب اس کی اطلاع کی گئی تو وہ ہنسا اور اس نے کہا کہ "سید کی یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ اس طرف کا رُخ کرے، وہ بے چارہ درویش آدمی ہے۔"

لیکن جب کچھ دیر کے بعد قرابین کی باڑھ اس نے سنی تو ہر طرف بھاگا بھاگا پھرنے اور اپنی فوج کو تیار کرنے لگا، مگر فوجیوں پر مجاہدوں کی اتنی ہیبت سوار ہوئی کہ وہ بجائے مقابلہ کرنے کے فرار ہو گئے۔

جب مجاہدین حملہ کرتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے تو مارے گھبراہٹ کے خادی خاں ہر طرف دوڑنے لگا اسی حالت میں چند گولیاں اس کے لگیں اور اس کا کام تمام ہو گیا۔

اس حملہ میں صرف خادی خاں اور ایک بلوا مارا گیا۔ مجاہدین سب محفوظ رہے۔

تیرھواں باب

جنگ زیدہ، عشرہ وامب کی جنگیں

خادی خاں کے قتل اور ہنڈ کی فتح نے مجاہدین کا رعب پورے علاقہ پر قائم کر دیا جس سے منافقین اور مخالف شریعت طاقتیں اور زیادہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئیں اور انھوں نے اس تحریک اصلاح و جہاد کی بنیادیں اکھیڑنے میں کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔

خادی خاں کے بھائی امیر خاں نے اپنے مقتول بھائی کا بدلہ لینے کے لیے پیہم کوششیں کیں، اس کا یہ نتیجہ نکلا وہ دیہات جو منافقین کے جانب دار تھے وہ مجاہدین کے جانی دشمن بن گئے اور انھوں نے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی جس کی وجہ سے مجاہدین کا سفر کرنا دشوار ہوگیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر فتح خاں اور ارسلان خاں جو سردار مرحوم اشرف خاں کے سعادت مند بیٹے تھے حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم اپنے باپ کی طرح حضرت کے غلام اور حلقہ بگوش ہیں اور تادمِ زیست آپ کے فرماں بردار رہیں گے، اور جان و مال آپ کی خدمت میں قربان کریں گے۔ ہماری آرزو ہے کہ حضرت ہمارے غریب خانہ جو مقام زیدہ میں ہے تشریف لے چلیں۔

حضرت سید صاحب نے ان کی دعوت قبول فرمائی اور زیدہ تشریف لے گئے،

امیر خاں کی سازش

امیر خاں کے دیگر بھائی حضرت سید صاحب سے صلح کی بات کرنا چاہتے تھے مگر امیر خاں در پردہ سردار یار محمد خاں سے سازش کر رہا تھا، اور اس نے بارہ ہزار روپے سردار یار محمد خاں کو پیش کیے تاکہ وہ ہنڈ پر حملہ کر کے اس کو مجاہدین کے قبضہ سے نکال سکے۔

سمہ کا ملک کبھی سرداران پشاور کے قبضہ میں نہیں رہا تھا، انھوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور یہ سمجھ کر کہ اس علاقہ کے اکثر لوگ حضرت سید صاحب کے مخالف ہیں ہنڈ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیا اور پہلے تین سو سواروں کو امیر خاں کے لشکر کے ساتھ آگے روانہ کیا۔

قلعہ ہنڈ پر سے مجاہدین نے اس لشکر کو آتے دیکھا تو وہ بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے، لیکن مولانا محمد اسماعیل صاحب نے جو اس وقت قلعہ کے دروازہ پر موجود تھے، مجاہدین کو روکا اور چند مجاہدین کو جو نہایت چست اور کارگزار تھے چھاپہ کے لیے روانہ کیا۔

مجاہدین کے اس دستہ نے نہایت دلیری کے ساتھ دشمن فوج پر حملہ کیا، تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے مجاہدین کا دوسرا دستہ روانہ کیا، جنھوں نے اس قدر زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے حواس چھوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد سردار یار محمد خاں چھ توپوں، شاہینوں اور ہاتھی گھوڑوں، اونٹوں اور بے شمار سوار و پیادہ کے ساتھ ہریانہ میں داخل ہوا، حضرت امیر المومنین نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو تمام لشکر کے ساتھ قلعہ ہنڈ میں طلب فرمایا۔ اس وقت حضرت سید صاحب کی خدمت میں زیدہ کے فتح خاں، ارسلان خاں، اور

فتح خاں پنجتاری اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ حاضر تھے۔

درانی لشکر قریب کے دیہاتوں میں لوٹ مار میں مصروف ہوا۔ عورتوں کی آبرو ریزی، ساز و سامان کو لوٹنا اور اس کے بعد گھروں کو جلا ڈالنا ان کا خاص شغلہ تھا، دیہات کے لوگ مجبوراً اپنے گھروں کو چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزیں ہوئے۔

چند روز ایسے گزرے کہ معمولی جھڑپیں ہو جاتیں اسی اثنا میں درانیوں کی طرف سے ایک سید، صلح کا پیغام لے کر آئے، حضرت سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ صلح بہر صورت اچھی چیز ہے، لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان شریعت الٰہی کو قبول کر لیں اور نظام شرعی کو جاری کر دیں۔

اس گفتگو میں دن گزر گیا۔ مجاہدین نے حضرت سے درخواست کی آج شب خون مارنے کی اجازت دی جائے اس پر حضرت نے فرمایا کہ صلح کا پیغام درمیان میں ہے، میں چھاپہ مارنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں، یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں۔

اس درمیان میں جو آدمی صلح کی گفتگو کے لیے گیا تھا متکبرانہ جواب لے کر آیا کہ ہم کو صلح بالکل قبول نہیں، اب اگر کوئی سید کا پیغام لے کر آیا تو اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔

حملہ کا حکم

یہ جواب سُن کر حضرت سید صاحب کی حمیت اسلامی کو جوش آیا اور حملہ کا حکم دیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بُلا کر ان سے ارشاد فرمایا:

"مجھ کو جناب الٰہی سے الہام ہوا ہے کہ تو کیوں اپنی تدبیر سے غافل ہے تیرے دشمن اپنی تدبیر کر رہے ہیں، فتح و شکست تو ہمارے ہاتھ میں ہے، تو بھی جو

تدبیر کر سکے کر، یہی وقت ہے۔"

مولانا نے آگے بڑھ کر لشکر کو ترتیب دیا، اور درانیوں کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے، مجاہدین کی تعداد ملکی و ہندوستانی ملا کر آٹھ سو ہو گی۔

درانی لشکر کے قریب پہونچ کر مجاہدین نے تکبیر کا غلغلہ بلند کیا اور حملہ کر دیا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے نہایت دلاوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملہ کی قیادت کی اور زبردست جنگ کے بعد توپوں پر قبضہ کر لیا۔ توپوں پر قبضہ ہوتے ہی درانی لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی، اور اس نے راہ فرار اختیار کی اور پشاور کی راہ لی۔

اس جنگ میں مجاہدین کو چھ توپیں ملیں اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا، یہ ثابت ہوا کہ عسکر و سامان، نمائش ظاہری کے سوا کچھ نہیں، اصل چیز نصرت الٰہی اور جوش ایمانی ہے۔

یار محمد خاں کی ہلاکت

سردار یار محمد خاں اس بدحواسی سے زخمی ہو کر میدان جنگ سے فرار ہوا کہ کچھ بھی سامان اپنے ساتھ نہ لے جا سکا، یہاں تک کہ پاؤں کی جوتیاں بھی وہیں چھوٹ گئیں اور پشاور پہنچنے سے پہلے زخموں کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے رخصت ہوا، اس جنگ میں درانی فوج کے سات بڑے سردار اور تقریباً تین سو لشکری ہلاک ہوئے۔

وقائع احمدی میں ہے کہ:

"سردار یار محمد خاں کے باورچی خانہ میں پلاؤ کی دیگیں پکی ہوئی تیار رکھی تھیں اور منوں ہر قسم کا میوہ تھا، لشکر میں چند عورتیں بھی تھیں جنھیں درانی لوگ پکڑ لائے تھے، مولانا نے انھیں اپنے اپنے گھر بھیج دیا۔

حضرت سید صاحب فوج، توپ خانہ اور لشکر کے ساتھ پنجتار میں داخل ہوئے ہر طرف سے مبارکباد دینے کے لیے خواص و عوام کا تانتا بندھ گیا، مخالفین و منافقین شرمندہ اور زرد رو ہوئے، اور مجاہدین کو سردار یار محمد خاں کی سازشوں سے نجات ملی، راستے کھل گئے اور اس کی وجہ سے ہندوستان سے مہاجرین و مجاہدین کی آمد شروع ہو گئی۔

امیر خاں کا قتل

امیر خاں جو سمہ کے علاقہ کا سرگروہ منافقین بنا ہوا تھا اور جو سردار یار محمد خاں کو فوج کشی کے لیے بلا کر لایا تھا اس فتح کے بعد حاضر خدمت ہوا، اور اپنی نیازمندی ظاہر کر کے درخواست کی کہ فلاں دیہات جو پہلے ہماری ملکیت میں تھا اس کا پروانہ حضرت تحریر کر کے دے دیں، تاکہ وہ ہمیں مل جائے۔ حضرت نے یہ سُن کر فرمایا کہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، بیعت و توبہ کرو، اس کے بعد ہم تم کو تمہاری زمین پر قابض کرا دیں گے۔ یہ سُن کر امیر خاں چلا گیا اور حضرت سید صاحب کی طرف سے ایک جعلی تحریر بنا کر اپنے لشکر کو لے کر اس دیہات پر قبضہ کرنے کے لیے پہنچا، دونوں طرف سے گولیاں چلیں، امیر خاں کو گولی لگی اور وہ بھی مقتول ہوا۔

قاضیوں کی تقرری کی درخواست

ایک روز پنجتار اور زیدہ کے ہم نام دونوں سردار فتح خاں حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہمارے اس ملک کا بادشاہ کیا، اب ہمارے لیے ایک ایک قاضی مقرر فرما دیں،

تاکہ وہ ہم لوگوں میں شرعی احکام جاری کرے، اور عشر کا نظام جاری ہو، اور ہم تمام ملک سمہ کے خوانین سے کہیں گے، انشاء اللہ وہ بھی اس باب میں چون و چرا نہ کریں گے۔

حضرت سید صاحب نے یہ سُن کر فرمایا جزاکم اللہ مسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مگر ہم یہ بارگراں کسی بھائی پر نہیں ڈالتے، اگر کوئی برضا و رغبت تمہارے کہنے سے قبول کرے تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ تم کو اجر دے گا۔

دونوں فتح خاں رخصت ہو کر اپنے گھر گئے اور ملک سمہ کے تمام خوانین کو خطوط لکھے، چند روز کے بعد مختلف بستیوں سے خوانین اور ملک حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنی اپنی بستیوں کے لیے قاضی مقرر کرنے کی درخواست کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے یہاں کے علماء کو بھیجو، ہم ان کو تمہارے یہاں کا قاضی مقرر کریں گے، خوانین اپنی اپنی بستیوں سے علماء کو بھیجتے تھے جن کو حضرت سید صاحب قاضی مقرر فرماتے تھے۔

چند دنوں کے بعد غلہ کی فصل آئی تو ان بستیوں کے خوانین نے حضرت سید صاحب کی خدمت میں عشر کا غلہ بھیجنا شروع کیا، مگر اس میں شریعت کے مقرر کردہ نصاب کی پابندی نہیں کی بلکہ اپنی مرضی سے جتنا چاہتے بھیجتے تھے۔ سید صاحب اس کمی بیشی کے بارے میں کسی سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے، جو وہ بھیجتے اس کو قبول فرما لیتے۔

توپ کے گولے کا کارخانہ

حضرت سید صاحب نے مولوی خیر الدین اور مولوی احمد اللہ سے فرمایا کہ توپ

کے گولے کم ہیں، ہر توپ کے پانچ پانچ سو گولے پورے کر لیے جائیں۔

چند روز کے بعد دونوں صاحبوں نے موضع قاسم خیل میں گولے بنانے کا کارخانہ جاری کر دیا۔ چند روز کے بعد حضرت سید صاحب نے وہاں جا کر کارخانہ کا معائنہ فرمایا۔

تربیلا کی فتح اور تخلیہ

اسی درمیان گنگر کے محمد زماں خاں کا جو حضرت کے بڑے مخلص اور معتقد تھے خط آیا کہ تربیلا اس وقت سکھوں سے خالی ہے، اگر حضرت کچھ مجاہدین کے ساتھ تشریف لائیں تو ہم اسی روز حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں۔

چند دنوں بعد حضرت سید صاحب ڈیڑھ سو سوار تین سو پیادوں کے ساتھ کھبّل کی طرف روانہ ہوئے اور چند مقامات پر ٹھیرتے ہوئے ایک روز صبح کو کھبّل میں داخل ہوئے، اسی روز محمد زماں خاں شب میں چھاپہ کے لیے گئے اور تربیلا پر قبضہ کر لیا۔

ہری سنگھ چھ ہزار فوج کے ساتھ تربیلا سے ۸ میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ جب اس قبضہ کی اس کو خبر ملی تو وہ اپنی فوج لے کر تربیلا پر حملہ آور ہوا، چار پانچ گھنٹہ جنگ کے بعد محمد زماں خاں تربیلا خالی کر کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اس طرح چند دنوں کے قبضہ کے بعد تربیلا پھر سکھوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

پائندہ خاں تنولی، والی امب ایک عرصہ سے حضرت سید صاحب سے اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا اظہار کر رہا تھا، اور اس سلسلہ میں اس کے دو وکیل سید حسن شاہ اور شاما جمعدار مسلسل حضرت کی خدمت میں آتے اور پائندہ خاں کی خوبی اور اخلاص مندی ظاہر کرتے ——— جب حضرت کھبّل تشریف لے گئے، تو یہ دونوں پھر حاضر ہوئے اور

اپنا مدعا عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ تمھارے خاں سے ضرور ملاقات کریں گے۔

سید اکبر شاہ[1] کی ملاقات

ستھانہ سے سید اکبر شاہ بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کو بھی ان سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ سید اکبر شاہ نے اپنی بستی ستھانہ تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت نے فرمایا سید بھائی انشاء اللہ تمھارے مکان کل چلیں گے، دوسرے روز حضرت سید صاحب ڈیڑھ سو غازیوں کے ہمراہ ستھانہ تشریف لے گئے، اور سید موصوف کے مہمان ہوئے۔ سید اکبر شاہ اور ان کے سب بھائیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

پائندہ خاں کے بارے میں مشورہ کرنے پر سید اکبر شاہ نے کہا کہ ہمارا پائندہ خاں سے اکثر معاملہ پڑتا ہے، اس نے کسی کے ساتھ سوائے بدعہدی کے وفاداری نہیں کی، اور نہ اس

---

[1] سید اکبر شاہ ابن سید شاہ گل، سید علی ترمذی غوث بنیر کی اولاد میں تھے۔ پکھلی اور ہزارہ کا بڑا حصہ ان کا اور ان کے خاندان کا حلقہ بگوش تھا، یہ خاندان سخاوت، شجاعت، اخلاص و للّٰہیت اور استقامت و استقلال میں اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت سید صاحب اور ان کی تحریک کے ساتھ اس خاندان نے اخیر تک وفاداری اور شیفتگی اور ایثار و قربانی کا ایسا ثبوت دیا جس کی نظیر صوبہ سرحد کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وقائع احمدی میں ہے: "سید اکبر شاہ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کا بیان کہاں تک کروں؟ جس نے دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ہے وہ ہی خوب واقف ہے کہ ایسا خوش خلق خندہ رو، کشادہ پیشانی، حلیم الطبع، سلیم المزاج؛ سخی اور شجاع، صاحب تدبیر صاف دل، راست گفتار اور حضرت علیہ الرحمۃ کا مخلص بے ریا، اور محب باوفا اور معتقد صادق کوئی رئیس اس ولایت میں نہ تھا۔

سے وفا کی امید ہے۔ اس معاملہ میں سید نادر شاہ جو ہم لوگوں کے بزرگ اور جہاں دیدہ شخص ہیں وہ پائندہ خاں کے والد نواب خاں کے ساتھ بھی رہ چکے ہیں اگر ارشاد ہو تو ان کو یہاں بلالیں ان کی رائے بہت مفید ہوگی۔ پھر سید اکبر شاہ نے سواری بھیج کر سید نادر شاہ کو بلوایا۔

سید نادر شاہ نے پائندہ خاں کے والد نواب خاں کی بدعہدی، گرفتاری اور قتل کا پورا واقعہ سُنایا، اور اُس نے اپنے بیٹے پائندہ خاں سے بھی وصیت کی تھی کبھی کسی پر بھروسہ نہ کرنا اور نہ کسی سے بے کھٹکے ملنا ورنہ پچھتاوا ہاتھ آئے گا، اسی واسطے وہ کسی سے وفا نہیں کرتا، جس نے اس کا ساتھ دیا اسی کو اس نے دغا دی۔ اگر آپ ملاقات کرنا ہی چاہتے ہیں تو یہاں سے آدھ کوس پر گڑھی ہے وہاں اس سے ملئے۔ حضرت سید صاحب نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"جزاک اللہ! سید بھائی تم نے اس معاملہ کا نشیب و فراز خوب بیان کیا۔ عقل کی رو سے بجا ہے، جتنے سردار اور رئیس جاہ طلب اور دنیادار ہیں، ان سب کا یہی برتاؤ ہے، ان کو اول بڑا خطرہ اپنی جان کا ہوتا ہے، دوسرے زوال ریاست کا، اور ہمارا تو تمام معاملہ دین کا ہو خواہ دنیا کا، اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر موقوف ہے، اس کی رضامندی کے کام میں جان و مال صرف کرنا، ہم سعادت ابدی جانتے ہیں، جو کوئی ہم سے دغا اور فریب کرے گا، اس سے نہ ہمارا دین بگڑ سکے گا نہ ایمان، اس کا عوض وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے پائے گا، پھر ہم کو کس بات کا خطرہ؟ اور ہم جو پائندہ خاں سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ وہ بھی ہمارا اسلامی بھائی ہے، اور نامی رئیس اور مردانہ آدمی ہے، اگر ہم سے موافق ہو جائے تو اس کی عملداری میں سے ہو کر ہمارے لیے کشمیر کا راستہ صاف ہو جائے اور ہمارے لوگ بے اندیشہ

آنے جانے لگیں، کچھ کام اللہ تعالیٰ کا نکلے، اپنا تو یہی مدعا ہے، اور جو ہم سے مکر و فریب کرے گا تو اس کا بدلہ خدا سے پائے گا، اور ہم تو اپنا حامی و مددگار فقط اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ اور سید بھائی تم جو یہ کہتے ہو کہ اس کو یہاں گڑھی پر بلا کر بات کرو، اگر اگر اس کا ہم پیام بھیجیں تو وہ اور بھی بھڑک جائے گا، اور نہ آئے گا کہ مبادا مجھ سے کچھ دغا و فریب کریں، سو اس امر کو ہم نے اس کی رائے پر موقوف رکھا، جہاں وہ بلائے گا ہم وہیں جائیں گے۔"

آپ کا یہ ارشاد سُن کر سب خاموش ہوئے۔

دوسرے روز پائندہ خاں کا پیغام آیا کہ آپ عشرہ کے میدان نالہ پر بڑ کے درخت کے نیچے تشریف لائیں، مگر تھوڑے لوگوں کے ساتھ آئیں، تو میں آپ کی قدمبوسی سے مشرف ہوں۔ حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ کل ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آئیں گے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے لشکر کے اہم لوگوں سے فرمایا کل سید صاحب پائندہ خاں کی ملاقات کو چلیں گے، سب لوگوں کو اطلاع کر دو کہ سب لوگ چلیں، اس لیے کہ سید اکبر شاہ اور سید نادر شاہ کی گفتگو سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ پائندہ خاں فریبی اور مکار ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ دغا کرے۔

ظہر پڑھ کر حضرت سید صاحب روانہ ہوئے، اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے ملاقات کی جگہ کے قریب بیس مجاہدین کو چھپا دیا کہ اگر پائندہ خاں کوئی بے جا حرکت کرے تو وہ لوگ حضرت کی حفاظت کر سکیں۔

نالہ کے قریب پہنچ کر حضرت سید صاحب نے اپنے ہمراہیوں کو روک دیا اور خود مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمد صاحب کو اپنے ساتھ لے کر ملاقات کی جگہ کے لیے چلے۔

kalahazrat@gmail.com

وہاں سے کچھ فاصلہ پر پائندہ خاں تین سو سواروں کے ساتھ کھڑا تھا، سید صاحب کو آتے دیکھ کر وہ بھی دو آدمیوں کے ساتھ پیادہ پا آیا، اس وقت خاں موصوف زرہ چہار آئینہ اور خود پہنے ہوئے تھا، اور کئی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔

ابھی سید صاحب اور پائندہ خاں میں گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ان سو مسلح سواروں نے باگیں اٹھائیں اور آگے بڑھے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے مجاہدین جھپٹ کر پہنچے اور انھوں نے پائندہ خاں کو گھیر لیا۔ ان سواروں نے آکر سب کا محاصرہ کر لیا، مگر وہ دیکھ کر کہ اگر ہم نے جنبش بھی کی تو مجاہدین خان کو زندہ نہ چھوڑیں گے سکتہ میں آگئے۔ ادھر پائندہ خاں کا چہرہ بھی فق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

"خان بھائی تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، تم تو ہمارے بھائی ہو۔ ہم نے جو تم سے ملاقات کی ہے، وہ محض خدا کے واسطہ کی ہے کہ کشمیر کا راستہ تمھاری عملداری میں سے ہو کر گزرتا ہے، اور دریائے سندھ کی کشتیاں بھی تمھارے قابو میں ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمارے آدمی اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے تمہاری عملداری میں آئیں، تو کوئی ان سے مزاحم نہ ہو۔ اگر تم بھی للہ فی اللہ اس کارِ خیر میں شریک رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھارے واسطے دنیا و آخرت کی خیر و فلاح کرے گا۔"

پائندہ خاں نے عرض کیا حضرت آپ تو ہمارے پیر و مرشد اور امام ہیں اور ہم آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں، جو کچھ آپ فرماتے ہیں سب مجھ کو منظور ہے۔

حضرت نے پھر ایک دستار منگائی اور پائندہ خاں کو دی اور فرمایا کہ ہم تم کو ایک ضرب توپ اور ایک ہاتھی بھی دیں گے۔

پھر حضرت مع ساتھیوں کے واپس ستھانہ تشریف لائے۔

درّانیوں کا حملہ

کچھ دنوں کے بعد درّانیوں نے قلعہ ہنڈ پر پھر فوج کشی کی، اس وقت قلعہ میں صرف پچاس ساٹھ مجاہدین تھے، انھوں نے سخت مقابلہ کیا۔ درّانی جب قلعہ فتح نہ کر پائے تو کیول نامی فرنگی نے سلطان محمد خاں سے کہا کہ جب تم اتنے تھوڑے مجاہدین پر فتح نہیں حاصل کر پا رہے ہو تو آئندہ کیا ہو گا؟ اگر تم عہد و پیمان کرو کہ قلعہ والوں کو نقصان نہ پہنچاؤ گے تو میں کوئی راستہ نکالوں۔ سلطان محمد خاں نے عہد کیا کہ ہم کو مقصد سے مطلب ہے، تم سے جو تدبیر ہو سکے کرو۔

کیول نے قلعہ والوں کو پیغام بھیجا کہ کیوں اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے ہو، ہم تمھاری جانیں بچا لیں گے، اس کے عہد و پیمان پر ان لوگوں نے قلعہ خالی کر دیا، سلطان محمد خاں نے بدعہدی کر کے سب کو گرفتار کر لیا، اس پر کیول نے سخت ناراضگی ظاہر کی درّانیوں کا ساتھ چھوڑ کر نوشہرہ چلا گیا۔

درّانیوں نے ان قیدیوں کو پشاور کی طرف روانہ کر دیا اور اعلان کیا کہ ان کو میں اپنے بھائی یار محمد خاں کی قبر پر ذبح کروں گا۔

جب یہ خبریں حضرت سید صاحب کو پہنچیں تو آپ نے لشکر کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ پشاور کی طرف چلنا ہے، جب یہ اطلاع درّانیوں کو ملی تو وہ گھبراہٹ میں قلعہ ہنڈ کو چھوڑ کر پشاور کی حفاظت کے خیال سے کوچ کر گئے۔

قیدیوں کی رہائی

اگلے روز اطلاع ملی کہ جن لوگوں کو درّانیوں نے قید کر لیا تھا وہ قید سے رہائی پا کر درّانیوں کے لشکر سے نکل گئے ہیں، حضرت نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کا بہت شکر

ادا کیا۔ چند روز کے بعد وہ سب حاضر خدمت ہوئے اور جو واقعہ گزرا اس کی روداد عرض کی۔

پائندہ خاں کی سرکشی

حضرت سید صاحب کو متواتر یہ اطلاعات ملیں کہ ملک سمہ کے اکثر خوانین نے سکھوں کی اطاعت قبول کر لی ہے، فتح خاں اور ارسلان خاں زیدہ والے، ابراہیم خاں اور ان کے بھائی اسماعیل خاں کلابٹ والے، مروان خاں عشرہ والے، ملا سید محمد میر کوٹھی والے جن کو سکھوں کی اطاعت نامنظور تھی اپنے علاقے چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔

ادھر پائندہ خاں کے بارے میں مسلسل ایسی خبریں مل رہی تھیں جن سے اس کی بغاوت اور سرکشی ظاہر ہوتی تھی۔

ان حالات میں آپ نے کشمیر کی طرف رُخ کرنے کا قصد فرمایا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کو حالات جاننے کے لیے مظفر آباد روانہ فرمایا اور ان کے ہمراہ دو سو مجاہد کیے، اور مولوی خیر الدین صاحب کو آپ کا نائب مقرر فرمایا۔

مولانا پنجتار سے رخصت ہو کر ستھانہ پہنچے؛ اور وہاں سے پائندہ خاں کو اپنے آنے کی اطلاع کی، پائندہ خاں نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے علاقہ سے گزریں گے تو ہری سنگھ ہم کو تکلیف دے گا۔ مولانا نے کہا کہ تم کو سکھوں سے کب موافقت رہی ہے کہ تم اس سے خوف کھاتے ہو، اگر تم امب سے ہمارا جانا پسند نہیں کرتے تو ہم بھیٹ گلی[1] سے ہو کر گزر جائیں گے، تم کو ہمارے راستہ میں حارج نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ تم نے سید صاحب کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اور ان کو اپنا امام گردانا ہے۔

[1] ایک بڑا نالہ جو امب اور ستھانہ کے درمیان سے نکل کر دریا میں ملا ہے۔

یہ سن کر پائندہ خاں بہت برہم ہوا اور اس نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ میری عملداری سے ہو کر نہ جائیں جو آپ نہ مانیں گے تو بے شک لڑائی ہو گی۔

مولانا نے ان حالات سے حضرت سید صاحب کو مطلع کیا تو حضرت نے ان کو واپس بلوایا اور پائندہ خاں کو ایک خط تحریر کیا جس میں لکھا:

"ہم دین کے کام کے واسطے تمھاری عملداری میں سے ہو کر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ دریا سے اُتر کر چلے جائیں اس کے سوا ہماری کوئی غرض نہیں اور تم نے ہماری اطاعت کا اقرار کیا ہے، تم کو لازم ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت کرو، اور جو تم سے یہ نہ ہو سکے تو ہمارے حارج بھی نہ ہو، یہ بھی تمھارا ایک طرح کا احسان ہو گا۔"

اس خط کے جواب میں پائندہ خاں نے لکھا کہ میں سب طرح سے آپ کا خادم اور فرماں بردار ہوں، مگر یہ مجھ کو منظور نہیں کہ آپ ادھر تشریف لائیں۔

اس خط کو لشکر کے علماء نے پڑھا اور کہا کہ یہ صاف صاف باغی ہو گیا ہے اس لیے اس کی سرکوبی بہت ضروری ہے۔

لشکر کی روانگی

حضرت سید صاحب نے سید احمد علی صاحب کو امیر بنا کر عبد الحمید خاں رسالدار اور ان کے سواروں کو ستھانہ روانہ کیا اور دوسرا حکم آنے تک وہیں ٹھہرنے کو کہا۔

اس کے بعد تمام مجاہدین کو لے کر کوچ کیا اور موضع جنبئی میں قیام فرمایا اور تمام مجاہدین کو جمع کر کے کہا کہ ہم نے تم پر مولانا محمد اسماعیل کو امیر مقرر کیا جو کچھ وہ حکم دیں اس کی اطاعت کرنا اور لڑائی میں اپنی طرف سبقت نہ کرنا۔ اس کے بعد لشکر کو رخصت فرمایا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے جنگی حکمت عملی کو سامنے رکھ کر جنگ کا نقشہ بنایا اور مختلف مقامات پر فوجی دستے تعینات کیے، پائندہ خاں نے فریب دینے کے لیے صلح کا پیغام بھیجا اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ جب یہ پیغام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو ملا تو آپ نے مسرت کا اظہار کیا اور غازیوں کو اطلاع بھجوائی کہ ابھی کارروائی نہ کی جائے۔

فتح

پائندہ خاں نے جب مجاہدین کو غافل دیکھا تو اچانک حملہ کر دیا، اس وقت مجاہدین ظہر کی نماز کی تیاری میں تھے، یہ حالت دیکھ کر انھوں نے ہتھیار سنبھالے اور مقابلہ شروع کیا، پائندہ خاں خود اپنی فوج کو لڑا رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد پائندہ خاں شکست کھا کر بھاگا اور اس کے بھاگتے ہی فوج کے قدم اکھڑ گئے، اور وہ ہتھیار پھینک پھینک کر میدان سے بھاگے، اس طرح مجاہدین کا عشرہ اور امب پر قبضہ ہوگیا۔

شیخ ولی محمد صاحب نے فتح کی خوش خبری ایک عرضی کے ذریعہ حضرت سید صاحب کو پہنچائی، حضرت کے خبر لانے والے کو انعام میں ایک چوغا عنایت فرمایا۔

چھتربائی کی گڑھی

پائندہ خاں اس گھبراہٹ میں بھاگا کہ چھتربائی کی گڑھی کو بھی خالی چھوڑ گیا، اس کی اطلاع جب ملی تو رسالدار عبدالحمید خاں اپنے دستہ کو لے کر روانہ ہوئے، وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ پائندہ خاں کے لوگ دوبارہ آ کر قابض ہو گئے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب بھی چھتربائی پہنچ گئے، اور چند روز کے بعد پائندہ خاں کے فوجی گڑھی خالی کر کے چلے گئے، اور یہ گڑھی مجاہدین کے قبضہ میں آگئی۔

چودہواں باب

پھولڑہ کی جنگ، امب کا قیام

حضرت سید صاحب کو کشمیر کی طرف بڑھنے کا بڑا خیال تھا، کشمیر کا راستہ تنولیوں کی ریاست سے ہو کر گزرتا تھا اس لیے راستہ کو مجاہدین کی نقل و حرکت کے لیے صاف اور مامون بنانا بہت ضروری تھا۔

مدد خاں ہندوال اور سربلند خاں ملال نے حضرت سید صاحب سے عرض کیا کہ اس مقصد کے لیے موضع پھولڑہ پر قبضہ بہت ضروری ہے۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا اچھا کسی کو تجویز کرو، سید احمد علی صاحب بولے کہ اگر اجازت ہو تو میں جاؤں، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

لشکر کی روانگی

حضرت سید صاحب نے تین لشکروں کو دریائے اٹک تین مختلف جگہوں سے عبور کرنے کا حکم دیا اور ان کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب چوتھے لشکر کے ساتھ دریا عبور کر کے گڑھی شنگلئی اور جبیڑی میں تشریف لائے۔

شاہ کوٹ پر قبضہ

سید احمد علی صاحب آدھی رات کو شاہ کوٹ پہونچے اور گڑھی پر قبضہ کر لیا، اس

کے بعد پھولڑہ پہونچے اور اس پر قابض ہو گئے اور پھولڑہ میں تینوں لشکر جمع ہو گئے۔

اچانک حملہ

فجر کے قریب جب مجاہدین نماز کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک سکھوں نے حملہ کر دیا، طرفین میں زوردار مقابلہ ہوا۔ سید احمد علی صاحب کی بندوق کا سنگ چقماق خطا کر گیا تو انھوں نے بندوق کو لاٹھی کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا، اس وقت سکھوں نے ان کو گھیر لیا اور تلوار و نیزوں سے حملہ کر کے شہید کر دیا۔

سید احمد علی صاحب کی شہادت کے بعد ان کا گھوڑا جو حضرت سید صاحب کی سواری کا گھوڑا تھا سکھ لے جانے لگے تو محمد خان نشان بردار کو غیرت آئی اور انھوں نے مجاہدین کو پکار کر کہا کہ مسلمانو! یہ حضرت امیر المومنین کی سواری کا گھوڑا ہے اس کو کفار لے جا رہے ہیں، ایمانی حمیت اس کو گوارہ نہیں کرتی کہ نائب رسول کی سواری خاص کے گھوڑے کو کفار استعمال کریں یہ کہہ کر انھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ زبردست حملہ کیا، بہت سکھ مقتول ہوئے اور محمد خاں نے گھوڑے کی لگام تھام کر اس کو آزاد کرالیا۔

یہ دیکھ کر سکھوں نے دوبارہ حملہ کیا اور زبردست مقابلہ کے بعد محمد خاں شہادت سے سرفراز ہوئے اور گھوڑا بھی کام آیا۔

اس معرکہ میں سید احمد علی رائے بریلوی، میر احمد علی بہاری، سید عبد الرزاق نگرامی، کریم بخش سہارن پوری، فیض الدین بنگالی، رحیم بخش جراح، علی خاں، مرزا عبد القدوس کشمیری، امام خاں سہسرامی، شیخ برکت اللہ گورکھپوری، مولوی محمد حسن رام پوری، محمد خاں نشان بردار اور ان کے علاوہ چند دیگر مجاہدین شہید ہوئے۔

حضرت سید صاحب کو جب محبوب بھانجہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا الحمد للہ جس مراد کو آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مراد تک پہنچایا۔

عشاء کی نماز کے بعد آپ نے شہداء کے عزیزوں کو بلوایا اور وعظ و نصیحت اور شہداء کے فضائل بیان کر کے ان کو تسلی دی اور صبر کی تلقین کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ تو سب صاحب اپنے مقصود دلی کو پہونچے اب ان کے لیے دعاء مغفرت کیا کرو ہم تم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے راستہ میں صرف کرے۔"

مولانا محمد اسماعیل صاحب جو پیش قدمی کے خیال سے آگے پہونچ گئے تھے سید احمد علی صاحب کی شہادت کی خبر سن کر واپس تشریف لائے۔

۲۷ شوال ۱۲۴۵ھ کو حضرت سید صاحب نے ایک اعلان جاری فرمایا کہ اگر پائندہ خاں صلح نامہ کے مطابق مدد ھان کا ملک و مال واپس کرے تو اس کی گلی ہندوال کی خانی اور سرداری باقی رہے گی۔

پائندہ خاں نے ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو ایک اقرار نامہ تحریر کیا جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف اور آئندہ کے لیے اجراء شریعت اور اطاعت کا وعدہ تھا۔

نظامِ قضا

اسی دوران قاضی ابن حبان کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا، اور ہر علاقہ، گاؤں اور قصبہ میں قاضی مقرر کیے گئے اور احکام شرعیہ کے ترک پر تعزیرات مقرر کی گئیں۔ اس طرح پورے علاقہ میں شریعت کا نظام جاری ہو گیا۔

امب کا قیام

امب کے زمانۂ قیام میں حضرت سید صاحب اور اسلامی لشکر کی زندگی اسلامی

معاشرت اور مجاہدانہ طرز کا ایک نمونہ تھی۔ ہر شخص حسن اخلاق، ایثار، اور ایک دوسرے کی خدمت میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا، ذکر الٰہی سے فضا معمور رہتی، اور اسی کے ساتھ ساتھ جنگی تربیت اور مشق کا بڑا اہتمام تھا۔

ایک مرتبہ باورچی خانہ میں پانی نہیں تھا، دریا کچھ فاصلہ پر تھا۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آیئے مولانا ہم مشک سنبھالیں، آپ گھڑا اٹھائیں اور پانی بھر کر لائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور دونوں حضرات دریا پر گئے، لوگوں کو اطلاع ہوئی تو ہجوم ہوگیا اور مشک اور گھڑا دونوں حضرات سے لے کر بات کی بات پر پانی باورچی خانہ پہونچا دیا گیا۔

ایک مرتبہ دو تین روز تک موسلا دھار بارش ہوئی قلعہ امب کے جنوبی اور شرقی گوشہ کا برج گر گیا، دو تین آدمی بھاری پتھروں اور صدہا من مٹی کے نیچے دب گئے۔ یہ سنتے ہی حضرت سید صاحب نے پھاوڑے طلب کیے، کچھ لوگ پھاوڑے لینے دوڑے، کچھ کہنے لگے کہ برج ابھی پورا نہیں گرا ہے، اب اندیشہ ہے کہ باقی حصہ بھی گر جائے گا اور لوگ دب جائیں گے، آپ نے کچھ سماعت نہ فرمائی اور پھاوڑا لے کر دو آدمیوں کے ہمراہ برج کے نیچے تشریف لے گئے اور ملبہ ہٹانے لگے، آپ کی کوشش سے ایک آدمی جو قلعہ اٹک کا رہنے والا تھا زندہ نکل آیا اس وقت آپ نے فرمایا، اگر میں تمہارے روکنے سے رُک جاتا تو ایک مسلمان کی جان بچانے کے ثواب سے محروم رہتا، الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس کو زندہ نکال دیا اور ہم کو اس کا ثواب عطا فرمایا۔

پندرھواں باب

سکھوں کی مصالحت کی کوشش، ملک سمہ کی دوبارہ تسخیر اور جنگ مردان

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکیم عزیز الدین کو جو مہاراجہ کے مشیر خاص اور معتمد تھے حضرت سید صاحب کے پاس بھیجا، مہاراجہ کا برادر نسبتی وزیر سنگھ حکیم صاحب کے ساتھ تھا۔

حکیم عزیز الدین صاحب نے مہاراجہ کا خط حضرت سید صاحب کو پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا:

"خلیفہ صاحب آپ سید، حاجی اور غازی، اللہ والے ہیں، ہم آپ کی دعا کے امیدوار ہیں۔ اگر ہندوستان سے ملک گیری کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں تو آپ دریائے اٹک کے اس پار کی نولاکھ روپئے کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں، اور دریا کے اس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، اس ملک کی عمل داری ہم لیتے آئے ہیں، وہ ملک بھی ہم آپ ہی کی نذر کریں، آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول رہیں اور ہم سے لڑنے بھڑنے کا خیال نہ کریں، اور جو یہاں لاہور ہمارے پاس چلے آئیں، تو ہم آپ ہی کو اپنی کل فوج کا افسر بنا دیں۔"

اس خط کے جواب میں حضرت نے فرمایا:

"ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ تو کسی

 kalahazrat@gmail.com

کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ ملک گیری کے شوقین ہیں، ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ
اور اعلائے کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں، اور جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کا لالچ دیتا
ہے، اگر وہ اپنا تمام ملک دے تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو
ہمارا بھائی ہے، اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ہم اس کو دے دیں اور
جو اس کا ملک ہے وہ بھی اس کے پاس رہے۔"

حکیم عزیز الدین نے کہا ہم غائبانہ جو آپ کا حال لوگوں سے سنتے تھے، اس سے زیادہ ہم
نے آپ کو پایا۔

حضرت سید صاحب نے بہت اعزاز و اکرام سے حکیم صاحب کی مہمانی کی اور رخصت کے
وقت مہاراجہ کو اسی مضمون کا خط تحریر کروا کر حکیم صاحب کے ذریعہ روانہ فرمایا۔

اس عرصہ میں مہاراجہ کے دونوں فرانسیسی افسران ڈینٹورا اور الارڈ ایک بڑے لاؤ لشکر
کے ساتھ سرحد پر پہونچے اور انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ لشکر مجاہدین میں سے کوئی شخص آکر گفتگو
کرے۔ اس پر حضرت سید صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کو چند لوگوں کے ساتھ روانہ کیا۔
مولوی صاحب نے نہایت وضاحت سے جہاد کے بارہ میں بیان کیا۔ اور جب ڈینٹورا نے
چالبازی سے مولوی صاحب سے نعلبندی دینے کا اقرار کرانا چاہا تو مولوی صاحب اس کی
چالوں میں نہیں آئے۔

پنجتار پر حملہ اور شکست

مولوی صاحب ڈینٹورا سے رخصت ہو کر اپنی قیام پر آئے، دوسرے روز وزیر سنگھ
نے آکر [illegible] پر اطلاع دی کہ کل سکھ لشکر پنجتار پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوگا۔ اسی

وقت مولوی صاحب نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کو ایک شخص کے ذریعہ اطلاع کروائی
اور قاصد سے کہا کہ جو دیہات راستہ میں ملیں ان کو بھی بتاتے جانا۔

صبح ہونے سے قبل سکھ لشکر روانہ ہوا، اور زیدہ کے مقام پر اس نے پڑاؤ ڈالا،
غروب آفتاب کے وقت ہی مشہور ہو گیا کہ آج شب میں غازی سکھ لشکر پر شب خون ماریں گے۔
اس خبر کے مشہور ہوتے ہی سکھ لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ سارے لشکری رات بھر جاگتے رہے
اور صبح ہوتے ہر شخص بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا، افسروں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کے
پیر نہ اکھڑنے پائیں، لیکن کچھ بات نہ بنی، تھوڑی رات باقی تھی کہ سارا لشکر دریائے لنڈے
کی طرف چل کھڑا ہوا، اور شام ہوتے ہوتے دریا عبور کر کے اٹک کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملک سمہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام

حضرت سید صاحب نے قاضی حبّان صاحب کو ملک سمہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام
کے لیے روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ مولانا محمد اسماعیل صاحب کو بھیجا، اس کے علاوہ
رسالدار عبد الحمید خاں کو تمام سواروں کے ساتھ قاضی صاحب کے ساتھ کیا اور حکم دیا کہ
قاضی صاحب کی مکمل اطاعت کی جائے۔

اس لشکر میں تین سوار، ڈھائی سو پیادے، ایک اونٹ پر نقارہ اور دیگر اونٹوں
پر چھ ضرب زنبورک تھے۔

پنجتار پہونچ کر قاضی صاحب نے فتح خاں کے مشورہ سے ملک سمہ کے تمام
خوانین، علماء کو بلوایا اور ان سے کہا کہ سکھوں نے مسلمانوں کی جن زمینوں کو دبالیا ہے
ان پر لشکر کشی کر کے خالی کرایا جائے۔

فتح خاں پنجتاری نے کہا کہ ہم اپنی قوم سے قاضی صاحب کو عشر دلائیں گے جب تم اپنی بستی پر قابض ہو جاؤ گے تو تم کو بھی عشر دینا ہوگا، سب نے قیل وقال کے بعد عشر دینے کا اقرار کیا ہے۔

ہنڈ کی تسخیر

اس عرصہ میں قاضی صاحب نے کھلابٹ کو تسخیر کرنے کے بعد ہنڈ کی طرف توجہ کی، اور رسالدار عبدالحمید خاں کو ہنڈ کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا ان کے ساتھ صرف ایک سوار تھا، قلعہ والوں نے گھوڑوں کی آواز سن کر گولیاں چلائیں، ادھر سے شاہین سے جواب دیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا کہ سکھ قلعہ خالی چھوڑ کر چلے گئے، یہ اطلاع ملتے ہی قاضی حبان صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوئے اور اس کی حفاظت وانتظام کے لیے زیدہ کے فتح خاں اور ارسلان خاں کو ذمہ دار بنایا۔

عشر کی ادائیگی کا اقرار

اس کے بعد قاضی صاحب نے موضع نوی کلی، موضع شیخ جانا اور امان زئی کے خوانین کو جمع کیا اور ان سے عشر اور اطاعت امام کا اقرار کروایا۔

خان ہوتی احمد خاں نے سرکشی اختیار کر کے حاضر ہونے سے بہانہ کیا اور اپنے بھائی رسول خاں کو مردان میں تعینات کر کے خود پشاور چلا گیا تاکہ درانیوں کا لشکر لے کر آئے۔

جب قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اچانک ہوتی پر حملہ

کرنے کا فیصلہ کیا اور دوسرے دن گڑھی پر لشکر کشی کی، مولانا محمد اسماعیل اور قاضی صاحب حملہ کر کے گڑھی میں داخل ہوئے، دوسری طرف سے مولوی مظہر علی صاحب اور رسالدار عبدالحمید خاں نے حملہ کیا، اور تھوڑی ہی دیر گڑھی فتح ہوگئی۔

مردان کی فتح

ہوتی کا انتظام کر کے قاضی حبان صاحب مردان تشریف لے گئے، مردان کے ایک برج سے بندوقیں چل رہی تھیں جس سے ایک ملکی طالب علم اور ایک ہندوستانی مجاہد شہید ہوا۔

قاضی صاحب نے جوش میں آکر حملہ کیا، ایک گولی ان کے سر میں لگی وہ اسی جگہ گر کر شہید ہوگئے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب کو جب قاضی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا الحمد للہ قاضی القضاۃ اپنی دلی مراد کو پہونچے۔

اس اثناء میں مجاہدین نے شاہینوں کے ذریعہ گولہ باری کی جس سے گڑھی کی بندوقیں خاموش ہوگئیں، اور مجاہدین گڑھی کی دیواروں تک پہونچ گئے، اس وقت قلعہ والوں نے رسول خاں حاکم قلعہ کو اطلاع کی وہ اس وقت تہ خانہ میں بیٹھا ناچ دیکھ رہا تھا، وہ گھبرا کر فصیل پر آیا اور مجاہدین کو دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا، اور مقابلہ کا حوصلہ نہ پاکر امان طلب کی۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے سب گڑھی والوں کو امان دی اور ان سے کہا کہ وہ اپنا سامان لے کر گڑھی سے نکل جائیں، اور رسول خاں سے وفاداری کا عہد لے کر مردان اور ہوتی اس کے سپرد کیے، اور احمد خاں باغی کا مال واسباب ضبط کیا۔

لوٹ کے مال کی واپسی

مردان کے چند باشندوں نے شکایت کی کہ آپ کے امان دینے کے بعد ملکی غازیوں نے ہمارا کچھ مال و اسباب لے لیا ہے۔ یہ سُن کر مولانا اسماعیل صاحب نے سامان واپس دلایا اور فرمایا:

"بھائیو! تم نے بہت نامناسب حرکت کی کہ امن دینے کے بعد ان کا اسباب لے لیا؛ اس طرح کا نقد یا اسباب لینا حرام ہے، خبردار اب پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا، ہر بھائی مسلمان اس کو یاد رکھے کہ حربی کافروں اور باغی مسلمانوں کے علاوہ ہر مسلمان کی جان و عزت اور مال مسلمان پر حرام ہے۔"

جن لوگوں سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی، وہ اپنی حرکت سے نادم ہوئے اور عرض کی کہ ہم سے خطا ہوئی، ہم کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، اب ہم توبہ کرتے ہیں۔

چند روز کے بعد حضرت سید صاحب کا فرمان پہونچا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیے، اور رسالدار عبدالحمید خاں کو مع سواروں کے ملک سمہ کے لیے چھوڑ دیجئے۔

مولانا دو سو پیادوں کے ہمراہ چل کر امب پہونچے اور ملک سمہ کے تمام حالات سے حضرت سید صاحب کو باخبر کیا، قاضی حبّان صاحب کی شہادت کا حال سُن کر حضرت سید صاحب بہت غمگین ہوئے اور ان کی خوبیاں بیان فرمائیں، پھر آپ نے سر برہنہ ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

سولھواں ۱۶ باب

جنگ مایار، پشاور کی فتح

سردار سلطان محمد خاں نے جس نے حضرت سید صاحب اور لشکرِ اسلام کی مخالفت اپنا مقصدِ حیات بنا رکھا تھا احمد خاں رئیس ہوتی کی دعوت کو غنیمت سمجھا اور ایک لشکرِ جرّار لے کر سمہ کا رخ کیا، اس لشکر کے ساتھ سردار پیر محمد خاں، سردار سید محمد خاں اور عظیم خاں کا بیٹا حبیب اللہ خاں بھی تھے۔

رسالدار عبدالحمید خاں نے جو مولانا محمد اسماعیل صاحب کے امب تشریف لے جانے کے بعد سمہ کا انتظامی دورہ کر رہے تھے، درّانیوں کے لشکر کی آمد کی اطلاع حضرت سید صاحب کو کی۔

حضرت سید صاحب کی روانگی

حضرت سید صاحب یہ اطلاع ملتے ہی امب سے روانہ ہوئے اور مولوی خیرالدین شیرکوٹی کو چھتربائی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کو امب میں مقرر فرمایا۔
پنجتار پہونچ کر آپ نے علاقہ کے سب خوانین کو طلب فرمایا، اور لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ ہو کر موضع تورو میں ڈیرہ ڈالا۔

حضرت سید صاحب نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو سردار سلطان محمد خاں کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو سمجھائیں کہ ہم ہندوستان سے اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطہ اس ملک میں آئے ہیں کہ کافر لاہور سے جہاد کریں اور تم سب مسلمان بھائی ہمارے شریک ہو، یہاں کے اور مسلمانوں سے پہلے تم نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی ہے، حیرت کا مقام ہے کہ ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر تم نے کافروں اور باغیوں کی رفاقت اختیار کی، تم کو مناسب ہے کہ ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرو اور اپنے شہر کو جاؤ، ہم کو کسی طرح یہ بات منظور نہیں کہ مسلمانوں سے جدال و قتال کریں، اگر تم نہ مانو گے تو یہ بات سمجھ لو کہ اس میں تمہارے دین کا بھی نقصان ہے، اور دنیا کا بھی، ہم نے اپنی حجت شرعی تم پر قائم کر دی، آگے تم جانو۔

اس پیام کے جواب میں سردار سلطان محمد خاں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا اور کہا کہ یہ سب باتیں ابلہ فریبی کی ہیں جن کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔

حضرت سید صاحب نے دوبارہ مولوی صاحب کو بھیجا اور فرمایا کہ نرمی کے ساتھ ان کو سمجھانا کہ "تم ناحق پر اصرار نہ کرو، خدا سے ڈرو، اور اس بات کو یاد کرو کہ جب ہم اول ملک سندھ سے آئے اور تمہارے قلعہ قاضی میں اُترے اور تم استقبال کر کے ہم کو وہاں سے کابل لے گئے، اور وزیر کے باغ میں تم نے ہم کو اُتارا اور ہماری ضیافتیں کیں ہم نے تم لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، تم نے اور تمہارے بھائی یار محمد خاں اور بہت صاحبوں نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ ہم جان و مال سے تمہارے اس کار خیر میں شریک ہیں۔ ان دنوں تمہارے اور تمہارے بھائی دوست محمد خاں کے درمیان ناچاقی تھی، ہم نے چالیس روز وہاں للہ فی اللہ اس واسطہ قیام کیا کہ تمہارے درمیان صلح کرا کے تم کو ملا دیں کہ تم آپس کی نزاع چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ میں ہمارے

شریک ہو، اور کافر لاہور سے لڑو کہ اسلام کی ترقی ہو لیکن تم کسی طرح ہمارے ملانے سے نہیں ملے، تمہارے بھائی دوست محمد خاں نے علانیہ ہم سے کہا کہ میں سچا مسلمان ہوں جس اعتقاد اور صاف دلی سے میں آج آپ سے ملا ہوں اسی طرح زندگی بھر آپ سے ملتا رہوں گا، اور یہ میرے بھائی منافق اور دغاباز ہیں، یہ آپ سے کبھی وفا نہ کریں گے، ہم نے ان کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔

پھر جب وہاں سے ہم پشاور ہوتے ہوئے ملک سمہ میں آئے اور بدھ سنگھ سے مقابلہ ہوا، تو وہی بات، جو تمہارے بھائی دوست محمد خاں نے کہی تھی، پیش آئی، پھر تمہارے بھائی یار محمد خاں نے سکھوں سے خفیہ مل کر (واللہ اعلم بالصواب)، ہم کو زہر بھی دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا، مقابلہ کفار کے وقت وہ طرح دے کر آپ بھاگ گیا، لڑائی بگڑ گئی، چند روز کے بعد وہ خود فوج کشی کر کے پشاور سے ہمارے اوپر چڑھ آیا، ہم نے آدمی بھیج کر اس کو بھی بہت سمجھایا، مگر وہ اپنی شامت نفس سے نہ سمجھا آخر مارا گیا، اس میں ہماری کون سی خطا ہے؟

اسی طرح یہاں کے تمام ملک و خوانین نے بیعت امامت کی اور سب نے عشر دینے کا اقرار کیا، اس میں احمد خاں بھی تھا، اب کی بار جب اس عشر کے بندوبست کے لیے سب ملک و خوانین بلائے گئے، اور سب نے از سر نو عشر دینے کا عہد و پیمان کیا، تو احمد خاں نہیں آیا اور باغی ہو کر پشاور کو بھاگ گیا، اور وہاں سے تم کو لڑائی کے واسطے چڑھا لایا، ہم نے جس طرح تمہارے بھائی یار محمد خاں کو فہمائش کی تھی اس کو بھی کی، اس نے نہ مانا، اب تمہیں ہم فہمائش کرتے ہیں اگر مانو گے بہتر، ورنہ ہم پر الزام نہیں۔

اور تم جو یہ کہتے ہو کہ تم نے یار محمد خاں پر رات کو چھاپہ مارا، اس سبب سے تم فتحیاب ہوئے، اگر دن دوپہر کو، ہم سے مقابلہ کرو، تو تمہاری بہادری اور مردانگی کا حال معلوم ہو،

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ ہم رات کو تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں نہ دن کو، اس لیے کہ تم مسلمان ہو، اور ہم تو کفار سے لڑنے کو آئے ہیں، اگر تم خود زیادتی کر کے ہمارے مقابلہ میں آؤ گے تو ہم مجبور ہیں، اپنے بچانے کو جو کچھ ہم سے ہو سکے گا کریں گے، ہم کو امید ہے کہ جس خدا نے رات کو تمھارے بھائی پر فتح یاب کیا تھا، وہی خدا تم پر دن کو فتح یاب کرے گا، مگر بہتر یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ناحق پر اصرار نہ کرو، بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

سلطان محمد خاں نے یہ سب سننے کے بعد متکبرانہ انداز میں جواب دیا کہ ان قصوں، کہانیوں کی کچھ ضرورت نہیں، اپنے گھر کو جاؤ اور خبردار پھر ہمارے پاس نہ آنا اور نہ سید بادشاہ کا پیام لانا۔ یہ سن کر مولوی عبدالرحمٰن صاحب واپس آگئے۔

اسی اثناء میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حضرت سید صاحب کی طلبی پر شیخ ولی محمد کے ساتھ موضع تورو آگئے۔

جنگ کی تیاری

تورو اور ہوتی کے درمیان مایار کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ حضرت سید صاحب نے مجاہدین کو پکار کے کہا کہ سب لوگ گیارہ گیارہ بار سورۂ لایلاف پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں اور یہ دعا پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں:

"اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَشَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَرِّبْ بُنْیَانَھُمْ وَخُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ"۔

درانیوں نے توپوں سے گولہ باری شروع کر دی، ان کے چار غول تھے تین سواروں کے اور ایک پیادہ کے۔

مجاہدین کی تین جماعتیں تھیں۔ اگلی اور پچھلی میں ہندوستانی تھے اور درمیان میں ملکی تھے۔

جب توپوں کے گولوں کی شدت ہوئی اور ملکی لوگ درمیان سے کھسک کے لشکر کے باہر ہو گئے، صرف مجاہدین ہند اور خاص خاص مخلصین سرحد باقی رہ گئے۔

ملکیوں میں فتح خاں پنجتاری، گھڑیالہ کے منصور خاں، شیوہ کے دونوں بھائی مشکار خاں اور انند خاں، کلابٹ کے اسمٰعیل خاں، گڑھی امازئی کے سرور خاں، اکوڑہ کے خواص خاں خٹک، اور ان کے عزیزوں میں شہباز خاں خٹک، زیدہ کے فتح خاں، تورو کے دلیل خاں، لونڈ خور کے نسیم خاں، کوٹھے کے ملا سید امیر آخوند زادہ، ٹوپی کے ملا بہار الدین، ڈاگئی کے ملا باقی حضرت سید صاحب کے شانہ بشانہ جنگ میں شامل رہے۔

آگے بڑھ کر حضرت سید صاحب نے کمال عجز و زاری سے پھر دعا کی

"الٰہی! ہم عاجز و ضعیف بندے ہیں، تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں، جو ہم کو بچائے، ہم نے ان کو بہتیرا سمجھایا کہ تم ہم مسلمانوں سے نہ لڑو، مگر انھوں نے نہ مانا اور تو دانا و بینا ہے ہمارے دلوں کے بھید کو جانتا ہے، اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں تو ہم ضعیفوں کو فتح یاب کر، اور جو وہ حق پر ہوں تو ان کو۔"

اس عرصہ میں درانیوں کے ایک غول نے جس میں دو توپیں بھی تھیں پورے زور و شور سے حملہ کیا اور یہ کہتے ہوئے کہ "سید کجا است، سید کجا است" لشکر اسلام پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت سید صاحب نے اپنی بندوق سے فائر کیا، فائر ہوتے ہی تمام

kalahazrat@gmail.com

غازیوں نے تکبیر کہہ کر باڑھ ماری اور حملہ کر دیا، بندوقیں اور اس کے بعد تلواریں چلنے لگیں اور یہ غول شکست کھا کر واپس ہوا۔

اس کے فوراً بعد دوسرا غول "سید کجا است، سید کجا است" پکارتا ہوا حملہ آور ہوا، حضرت سید صاحب نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس حملہ کا جواب دیا اور مسلسل آپ اپنی بندوق سے فائر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ غول بھی پسپا ہوا۔

اس غول کے پسپا ہوتے ہی سات سو سواروں کا تیسرا غول اسی تیزی اور غضب ناکی سے حضرت سید صاحب کی طرف بڑھا اور وہ بھی سید کجا است، سید کجا است کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ حضرت اس وقت صرف پچاس غازیوں کے ساتھ تھے، آپ نے اس غول کو اتنی مختصر جماعت کے ساتھ بندوقوں، قرابینوں، تلواروں اور گنڈاسوں پر رکھ لیا اور تائید الٰہی سے وہ بھی پسپا ہوئے۔

توپوں پر قبضہ

مولانا محمد اسماعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی نے چند مجاہدوں کے ساتھ توپ خانہ پر حملہ کیا اور بے مثال بہادری کا مظاہرہ کر کے توپوں پر قبضہ کر لیا۔

توپوں پر قبضہ ہوتے ہی درانی فوج بے تحاشا بھاگی اور مجاہدین نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔

معرکۂ جنگ سے فارغ ہو کر مجاہدین جو بہت پیاسے تھے تالاب پر آئے اور پانی سے سیراب ہوئے۔

مولوی مظہر علی عظیم آبادی زخمیوں کو جمع کرنے، شہداء کی نماز جنازہ اور تدفین کے

لیے مقرر ہوئے۔

زخمیوں اور شہداء کا حال

ہدایت اللہ بریلوی کہتے ہیں کہ:

"جس وقت کالے خاں کے گولی لگا، اور وہ گھوڑے سے گر پڑے، گھڑی دو گھڑی کے بعد وہ پوچھتے بھائی لڑائی کا کیا حال ہے؟ ان سے کہا جاتا کہ ابھی معاملہ گڈمڈ ہے، یہ سن کر وہ چپ ہو جاتے اور اللہ اللہ کرتے۔ جنگ کے فیصلہ کے بعد انھوں نے پوچھا اب لڑائی کا کیا طور ہے؟ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے سید صاحب کو فتح یاب کیا۔ یہ خوش خبری سن کر انھوں نے کہا الحمد للہ، اسی دم ان کا دم نکل گیا۔"

قاضی گل احمد الدین بیان کرتے ہیں:

"میں نے ایک جگہ دیکھا کہ سید ابو محمد صاحب زخمی پڑے ہیں، قدرے جان ان میں باقی تھی، ہوش و حواس کچھ بجا نہ تھے۔ میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا کہ سید ابو محمد صاحب، حضرت امیر المومنین کی فتح ہوئی، انھوں نے کچھ خیال نہ کیا، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہونٹ اپنے چاٹتے جاتے تھے اور الحمد للہ، الحمد للہ، کہتے جاتے، پھر کچھ دیر میں ان کی جان نکل گئی۔"

سید موسیٰ ۱۷، ۱۸ سال کے جوان تھے اور حضرت سید صاحب کے عزیز بھانجے سید احمد علی شہید بھولڑہ کے صاحبزادہ تھے، جنگ یا مار میں جب درانیوں کا ہلہ آیا، آپ گھوڑے کی باگ اٹھا کر اس میں گھس گئے، اور خوب تلوار سے لوگوں کو مارا، اور آپ بھی بہت

زخمی ہوئے، مگر لڑتے رہے۔ جب زخموں کے مارے دونوں ہاتھ بیکار ہوگئے اور کئی زخم سر میں لگے تو اس وقت گھوڑے سے گرے۔

خادی خاں مجاہد کہتے ہیں کہ جنگ کے بعد میں نے اللہ اللہ کی آواز سُنی، گیا تو دیکھا کہ سید موسیٰ ہیں، سر کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے، آنکھیں بند ہیں۔ میں نے کہا کہ سید بادشاہ کی فتح ہوئی کہنے لگے الحمد للہ، میں ان کو اپنی پُشت پر سوار کر کے اُٹھا لایا، سید صاحب نے ان کو بے چین دیکھ کر فرمایا کہ ان کو مایار کی مسجد کے حجرہ میں پہونچاؤ۔

مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سید صاحب ان کو دیکھنے تشریف لائے، آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ بڑا مردانہ نکلا اور مالک حقیقی کا حق خوب ادا کیا، پھر ان سے خطاب کر کے فرمایا:

"الحمد للہ تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ کے راستہ میں کام آئے، اور تمھاری کوششیں مشکور ہوئیں، اگر تم کسی کو دیکھو کہ خوش رفتار گھوڑے پر سوار ہے، اور اس کو ایڑ لگاتا ہے اور دوڑاتا ہے، تو تم کبھی اس کی حسرت نہ کرنا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے، تو ہم بھی اسی طرح شہسواری کرتے، اس لیے کہ تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگئے، بڑے مبارک ہیں وہ ہاتھ پاؤں جو رضائے مولیٰ کے راستہ میں کام آئیں اور اس پر قربان ہو جائیں، اگر کبھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پٹہ باز استادوں کی طرح تلوار سے کھیلتا ہے، تو کبھی یہ غم نہ کرنا کہ ہم بھی تندرست ہوتے تو سپہ گری کا کمال دکھاتے، اس لیے کہ تمھارے ان ہاتھ پاؤں کا بڑا مرتبہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں انھوں نے زخم کھائے، جو ہاتھ پاؤں صحیح سالم ہیں ان سے گناہ کا اندیشہ ہے، لیکن تمھارے ہاتھ پاؤں کا ثواب اللہ تعالیٰ

کے یہاں جمع ہے، سیدنا علی مرتضیٰؓ کے بھائی حضرت جعفر طیار کے دونوں بازو اللہ کے راستہ میں کٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت الفردوس میں ذوالجناحین کے لقب سے سرفراز فرمایا اور زمرد کے دو بازو ان کو عطا فرمائے"۔

سید موسیٰ نے عرض کیا کہ حضرت میں ہزار زبان سے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس حال پر راضی و شاکر ہوں، میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی شکایت نہیں آتی اس لیے کہ اسی کام کے لیے آپ کی ہم رکابی میں یہاں آیا تھا، الحمد للہ کہ اپنی ہستی کو اس افضل ترین عبادت میں مٹا دیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تورو کو واپسی اور دعا

ظہر کی نماز کے بعد آپ نے ننگے سر ہو کر بہت دیر تک دعا کی اور دعا میں آپ کا اور تمام مجاہدین کا یہ حال تھا کہ سب کی آنکھوں سے آنسو اس طرح جاری تھے کہ سب کی داڑھیاں تر ہو گئی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد لشکر نے کوچ کیا اور موضع تورو میں آکر نماز پڑھی۔

پشاور کا قصد

مایار کی جنگ کے بعد حضرت نے پشاور کا قصد فرمایا، اور تمام خوانین کو جمع کر کے ان کو اپنے اس ارادہ سے باخبر کیا۔

چند روز کے بعد موضع تورو سے کوچ کیا، اور مردان کی گڑھی جس کو درانیوں نے قبضہ کر کے احمد خاں کے سپرد کر دیا تھا دوبارہ فتح ہوئی اور حضرت سید صاحب نے اس میں قیام فرمایا۔

kalahazrat@gmail.com

تیسرے دن مردان سے لشکر نے کوچ کیا، اور آپ نے گڑھی کی حفاظت کے لیے حاجی بادشاہ خاں صاحب کو سو غازیوں کے ساتھ متعین کیا۔

راستہ میں چارسدے میں قیام ہوا، جہاں کے لوگوں نے درانیوں کے ظلم و ستم کی داستان سنائی اور آپ کی تشریف آوری کو باعثِ خیر و برکت جانا، وہاں سے پشاور بندرہ سولہ میل تھا لیکن دریا پر کشتیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ ہنگنی جا کر دریائے سوت جو ایک جگہ سے پایاب تھا عبور کر کے مٹہ میں قیام کیا، وہاں کے لوگ لشکر کی آمد سے بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ سبحان اللہ چھ سات ہزار فوج نے پڑاؤ ڈالا ہے، لیکن کسی پر ظلم و تعدی نہیں، اس کے برخلاف درّانیوں کے دو پیادے آجاتے تھے تو ہم لوگ گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

مٹہ سے چل کر شب قدر پڑاؤ ہوا، وہاں کے لوگ ارباب بہرام خاں سے تعلق رکھتے تھے، بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت سید صاحب سے پیش آئے۔

دو تین روز اسی نواح میں قیام رہا، اس علاقہ کے ارباب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کا انتظام سنبھال لینے کی درخواست کی۔ آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمھارے یہاں کس طرح انتظام ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا سرداران پشاور کی طرف سے خراج محاصل کا یہ اصول ہے کہ رعایا کی کھیتی کا غلہ نصف وصول کر لیتے ہیں اور ارباب منشی خانہ وغیرہ کا خرچ بھی رعایا کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس طرح رعایا کے حصہ میں تہائی پیداوار آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اب رعایا ہم کو پیداوار کا تہائی نقد ادا کرے، باقی انتظامی اخراجات امام کے ذمہ رہیں گے، اس سال تو یہی انتظام ہے، آئندہ سال مستقل انتظام کیا جائے گا۔

پشاور میں داخلہ

ہیجنی کے گھاٹ سے اسلامی لشکر نے دریا عبور کیا اور موضع ریگی میں قیام ہوا، بعض

طالب علموں کی زبانی معلوم ہوا کہ سرداران پشاور نے اپنے متعلقین کو، کوہاٹ روانہ کر دیا ہے اور خود لشکر کے ساتھ کسی دیہات میں پڑے ہیں۔

سلطان محمد خاں کا پیغام لے کر ارباب فیض اللہ خاں حاضر ہوئے کہ ہم سے بڑا قصور ہوا کہ ہم نے آپ کا مقابلہ کیا، ہم اپنے قصور سے توبہ کرتے ہیں، آپ ہمارا قصور معاف فرمائیں اور یہاں سے پلٹ جائیں۔

حضرت نے فرمایا "خان بھائی ہم کو تمھاری خاطر منظور ہے، مگر یہاں سے پلٹ جانے میں یہ بات ہے کہ تمھارے سردار اس بات کا احسان نہ مانیں گے، یہاں سے انشاء اللہ کل پشاور کو چلیں گے، اگر وہ اپنے اس عہد و پیمان پر سچے دل سے قائم ہیں تو ہم ان کو اپنی طرف سے پشاور میں بٹھا کر چلے آئیں گے، اس لیے کہ ہم ہندوستان سے اس ملک میں صرف اس واسطے آئے ہیں کہ یہاں کے سب بھائی مسلمانوں کو متفق کر کے کافروں پر جہاد کریں کہ اسلام کی ترقی ہو اور کفار مغلوب ہوں، سو یہ درانی وغیرہ اپنی نادانی اور بے وقوفی سے ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر، کافروں کے حامی و مددگار بنے ہیں، اور ان کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرتے ہیں، ہم نے ان کو بارہا خط لکھ کر، وعظ و نصیحت سے بہتیرا سمجھایا کہ یہ اپنی شرارت اور بغاوت سے باز رہیں اور ہمارے شریک ہوں، مگر ان کے خیال فاسد میں کچھ نہ آیا، یہاں تک کہ ہم پر لشکر کشی کر کے یہاں سے سمہ کو گئے اور ہم سے لڑے، اور ہیبت الٰہی سے شکست فاش کھا کر وہاں سے بھاگے، تب ہم نے بھی وہاں سے ان کا تعاقب کیا کہ اب ان کو سزا دینی ضروری ہے، اس کے بغیر یہ اپنی شرارت سے باز نہ رہیں گے، والّا ہم کو غرض نہ تھی کہ ہم ان کا پشاور چھین لیں، سو خان بھائی اب تم جا کر ان کو اس عہد و پیمان پر پکا کرو کہ بار دیگر پھر بد عہدی نہ کریں۔

حضرت سید صاحب نے سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو یہ خبر پہونچا دو کہ آج پشاور کو چلنا ہوگا، خبردار کوئی بھائی کسی رعایا پر دست اندازی نہ کرے، اور اپنے کسی معتبر آدمی کو پشاور بھیج دو کہ جا کر بازار میں پکار دے کہ آج سید صاحب کا لشکر یہاں آئے گا سب دوکان دار اپنی اپنی دوکان کے دروازے بند کرلیں۔

ارباب بہرام خاں نے اپنے بھائی ارباب جمعہ خاں کو ساتھ ستر سواروں کے ساتھ پشاور روانہ کیا، ادھر لشکر میں کوچ کا نقارہ بجا، سب لشکری چلنے کو تیار ہوئے، حضرت سید صاحب نے ننگے سر ہو کر دعا کی، اور اس کے بعد لشکر نے کوچ کیا۔

مغرب کی جانب کابلی دروازہ سے بازار میں ہو کر شہر میں داخل ہوئے، جا بجا لوگوں نے سبیلیں شربت اور پانی کی لگا رکھی تھیں اور شہر میں چراغاں ہو رہا تھا اور جوق در جوق عوام زیارت کے لیے حاضر ہو رہے تھے۔

لشکر گول گٹھڑی میں ٹھہرا، اور خاص خاص لوگ اس کے قریب ایک حویلی میں قیام پذیر ہوئے۔

حفاظتی انتظامات

حضرت نے رسالدار حاجی حمزہ علی خاں کو شبینہ کے انتظام کے واسطے حکم دیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو حکم ہوا کہ جہاں جہاں سرائے کی چھتوں پر مناسب جانیں پہرے لگا دیں۔

ارب جمعہ خاں اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کی حفاظت پر متعین ہوئے۔

صبح حضرت سید صاحب نے حویلی میں نماز پڑھی اور دعا کی، اس کے بعد حکم ہوا کہ

سب دوکان دار اپنی اپنی دوکانیں کھولیں۔

لشکر اسلام کے آنے کا یہ اثر ہوا کہ زنانِ بازاری جن کی پشاور میں بڑی کثرت تھی روپوش ہوگئیں۔ اگر کسی مرد نے ان کے یہاں جانا چاہا تو انھوں نے پکار کر کہا کہ خبردار یہاں نہ آنا ورنہ نہ تمھاری خیر ہوگی، نہ ہماری۔ اسی طرح نشہ آور اشیاء کی دوکانیں بھی بند ہوگئیں، اور نشہ کرنے والے غائب ہوگئے، سید صاحب نے مزید تاکید فرمائی کہ لشکر کا کوئی آدمی پشاور کے باغات کا ایک پھل بھی نہ توڑے۔

سلطان محمد خاں کی طرف سے معافی کی درخواست

ظہر کی نماز کے بعد ارباب فیض اللہ خاں حاضر خدمت ہوئے اور درانیوں کے لشکر کی بدحالی اور سردارانِ پشاور سے اپنی گفتگو کا سب حال سنایا، اور سلطان محمد خاں کا پیغام عرض کیا کہ آپ ہمارے دین و دنیا کے امام و مقتدیٰ ہیں اور ہم ہر نوع مطیع اور فرماں بردار ہیں، ہم سے بڑا قصور ہوا کہ اپنی شامت اعمال سے ہم نے آپ کے اوپر لشکر کشی کی، ہم اپنی سزا کو پہونچے، اب ہم آپ کے اخلاق کریمانہ سے امیدوار ہیں کہ آپ ہمارا قصور للہ معاف کردیں اب ہم ان تمام شرارتوں سے توبہ کرتے ہیں، انشاء اللہ پھر ہم سے کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔

یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا:

"خان بھائی تم ان کے بیچ میں نہ پڑو، وہ بڑے لسّان اور اپنی غرض کے یار ہیں، ان کے عہد و پیمان کا کچھ ٹھکانہ نہیں، اپنے مطلب کے لیے یہ لوگ ہر طرح تابع دار بن جاتے ہیں، اور جب مطلب نکل جاتا ہے، تو یہ لوگ کسی کے آشنا نہیں ہوتے، نہ دنیا کی شرم رکھتے ہیں، اور نہ خدا و رسول

کا خوف۔ ہم نے ان کو اس لڑائی سے پہلے بھی جب وہ یہاں سے لشکر لے کر گئے تھے کئی بار آدمی بھیج کر سمجھانے کا حق ادا کر دیا، مگر انھوں نے ایک نہ سُنی اور ناحق ہمارا مقابلہ کیا، اور ہمارے بہت سے غازیوں کو شہید کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم غربار وضعفاء کو ان پر فتح یاب کیا، اور وہ شکست کھا کر بھاگے، ہم نے یہاں تک ان کا پیچھا کیا، اب انھوں نے خیال کیا کہ اب ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے تب تم کو درمیان میں ڈال کر یہ چال چلی ہے۔

اس سے پیشتر شیدو کی لڑائی میں ہم سے بدھ سنگھ کا مقابلہ تھا، وہاں یہ چاروں بھائی اپنی جماعت کے ساتھ ہماری کمک کو آئے، انھوں نے دغابازی سے ہماری لڑائی بگاڑ دی، ہم لوگوں کو سکھوں سے بھڑا کر آپ بھاگ کھڑے ہوئے اور صدہا مسلمان شہید کرائے، تب بھی انھوں نے ہمارے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا، کہ ہم جان و مال سے تمہارے شریک ہیں، پھر اس عہد کو کیسے وفا کیا، تم سب جانتے ہو، اب از سر نو عہد کرنے کو کہتے ہیں، تو اپنے دل میں ایسا ہی سمجھ لیا ہوگا کہ اپنی غرض نکل جائے، پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا۔ خان بھائی ہم نے تم سے جو باتیں بیان کی ہیں اچھی طرح سے بے کم وکاست ان کے آگے کہنا اور خان بھائی تم خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ جو ہندوستان سے اس ملک میں آئے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ مسلمان غالب ہوں اور اسلام کی ترقی ہو، نہ ہم کو پشاور لینے سے غرض ہے نہ کابل لینے سے۔ اگر ان کے عہد و پیمان کی صداقت ہم پر ثابت ہو جائے اور منہیات شرعیہ اور شرکت کفار سے سچی توبہ کرلیں اور ہم مسلمانوں کے اتفاق میں شامل ہوں تو

ہم اب بھی موجود ہیں۔"

حضرت سید صاحب سے رخصت ہو کر ارباب فیض اللہ خاں، سلطان محمد خاں کے پاس گئے، اور اس سے یہ پوری گفتگو بیان کر دی۔ یہ سُن کر سلطان محمد خاں نے کہا کہ سید بادشاہ نے جو کچھ فرمایا، اس میں سرمُو تفاوت نہیں، مگر اب ہم خالص دل سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم سے بغاوت و نافرمانی کا کوئی کام ظہور میں نہیں آئے گا، باغیوں اور کافروں کی رفاقت اور شرکت سے ہم نے توبہ کی، خدا اور رسول کا جو کچھ حکم ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر، اس وقت اور جس جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے سید بادشاہ ہم کو یاد کریں گے، اسی وقت اور اسی جگہ ہم بلا عذر اپنی جان و مال اور فوج و لشکر سے حاضر ہوں گے۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ سید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر از سر نو بیعت امامت کی تجدید کریں اور تمام منہیات شرعیہ سے بالمشافہ تائب ہوں اور آپ کی خدمت میں چالیس ہزار روپیے پیش کریں۔

ارباب فیض اللہ خاں پھر حاضر ہوئے اور حضرت سید صاحب سے سلطان احمد خاں کی تمام گفتگو عرض کی تو آپ نے فرمایا خان بھائی ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق میں شریک ہوں اور کفار کا مقابلہ کریں، ہم نہ کسی کی ریاست چھیننے آئے ہیں نہ کسی کا ملک لینے کو، یہ تو اس دنیا دار شخص کا کام ہے جو ملک گیری کا ارادہ رکھتا ہو، ہم صرف جہاد فی سبیل اللہ کی نیت رکھتے ہیں کہ کفار کو زیر کریں اور اسلام کی ترقی ہو، اگر سچے دل سے اس اقرار پر مستعد ہیں تو ہم بھی اس بات سے انشاء اللہ تعالیٰ باہر نہ ہوں گے۔

پشاور کی سپردگی کی تجویز

وقائع احمدی میں ہے کہ حضرت سید صاحب نے عشاء کی نماز کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل

اور شیخ ولی محمد، ارباب بہرام خاں، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، ملا لعل محمد اور ملا قطب الدین ننگرہاری اور سمہ کے خوانین کو بلایا اور تخلیہ میں ان سے گفتگو کی۔

لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیام ہے اور حضرت نے منظور کیا ہے، لشکر والوں کو یہ امر بہت شاق گزرا کہ حضرت درانیوں سے پھر ملاپ کرتے ہیں، لوگ کہتے تھے کہ درانی شر و فتنہ سے باز نہ آئیں گے۔

رفتہ رفتہ یہ خبر تمام پشاور میں پھیلی، پشاور کے رہنے والوں کو سخت تشویش ہوئی، ان میں سے کچھ سربرآوردہ لوگ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس حاضر ہوئے، اور ان سے عرض مدعا کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس امر میں ہم سید صاحب سے کچھ عرض نہیں کرسکتے، تم کو جو کچھ کہنا ہو ارباب بہرام خاں سے جاکر کہو، یہ سن کر وہ لوگ ارباب بہرام خاں کے پاس گئے۔ خان موصوف نے ان کی پوری بات سُنی اور وعدہ کیا کہ وہ حضرت سید صاحب سے یہ پوری بات عرض کریں گے۔

عشاء کے بعد ارباب بہرام خاں اپنے بھائی ارباب جمعہ خاں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گئے اور اہل شہر کی پوری گفتگو نقل کرنے کے بعد عرض کیا کہ اہل شہر کو بڑا اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے پشاور درانیوں کو پھر عطا کردیا تو وہ آپ کے جانے کے بعد رعایا پر ظلم و تعدی کا بازار گرم کردیں گے، اور آپ کی تشریف آوری پر رعایا نے جو خوشی منائی اس کی وجہ سے درانی رعایا کو تباہ و برباد کردیں گے، اگر آپ کو پشاور دینا ہی منظور ہے تو آپ مجھی کو سرفراز فرمادیں، میں بھی آپ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں اور یہیں کا باشندہ اور یہاں کے راہ و رسم سے خوب واقف ہوں، تمام رعایا مجھ سے راضی بھی ہے۔ اگر آپ مجھے یہ ریاست سپرد کرکے یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو میں درانیوں سے سمجھ لوں گا، اب آپ جو کچھ ارشاد کریں

میں ان کو وہی جواب دوں۔

حضرت سید صاحبؒ کا جواب

ارباب بہرام خاں کی پوری گفتگو سُن کر حضرت سید صاحب نے فرمایا:

"جزاک اللہ خان بھائی، تم نے خوب کیا جو سب لوگوں کے حال کی مجھ کو اطلاع دی اور جو ہمارے لشکر کے بھائی، اور شہر کے لوگ درانیوں کی غداری اور حیلہ سازی بیان کرتے ہیں، وہ سچ ہے۔ بلکہ میرے پروردگار نے مجھ پر جو ان کا حال منکشف کیا ہے، اگر وہ بھائی جان لیں تو خدا جانے کیا کریں، مگر تم سب خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں آشناؤں سے منہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وہ کام کریں جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو، مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں، خوش ہوں گے تو کیا بنائیں گے، اور ناخوش ہوں گے تو کیا بگاڑیں گے، نادان سمجھتے ہیں کہ یہ ملک گیری اور دنیا طلبی کے لیے آئے ہیں، یہ ان کا خیال خام ہے ابھی وہ دین اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

اور جو ثمہ کے خوانین بھائی، اُن کے ظلم و تعدی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی، خانہ ویرانی اور دربدری کا قصہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے، اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور منافق، مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدی اور مکاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلہ میں آجاتا ہے، اس وقت سب بغض و عداوت کو اپنے دل سے دور

کرتے ہیں، اور زبان پر نہیں لاتے، اور اُن کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس میں پروردگار کی رضامندی اور اس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس اور ابنائے زمانہ کے مخالف ہو، مسلمانی اور دینداری و خداپرستی اسی کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دنیاداری ہے۔

اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے تو یہ بات شکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وہ سب بھائی اپنی دلی مراد کو پہنچے، وہ اسی مطلب کے حصول کے لیے یہ تمام تکالیف و مصائب اٹھا کر اتنی دور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں، سو وہی انھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے جیسے دنیادار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

اور جو شہر والے اس بات کا خوف کرتے ہیں کہ ہم نے جو سید صاحب کے آنے سے خوشیاں کی ہیں، اس لیے وہ ہم کو تباہ کر دیں گے، یہ اُن کی نافہمی و نادانی ہے، یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ رعایا کو تباہ و خراب کریں گے، تو حاکم و رئیس کس کے کہلائیں گے؟ رعایا تو بے بس اور عاجز ہوتی ہے، جو کوئی اس پر غالب آجاتا ہے اُس کی وہ تابع اور فرماں بردار ہو جاتی ہے اور جو تابع دار نہ ہو تو کہاں رہے؟ رعایا کو کوئی نہیں خراب کرتا، اس کا حاکم نہ کوئی غنیم بلکہ دونوں اس سبب سے آرام پاتے ہیں اور سردار کہلاتے ہیں۔ رعایا میوے دار باغ کی طرح ہے کہ مالک اور غیر مالک سب اس کے میوے سے فائدہ حاصل

کرتے ہیں، کوئی میوے دار درخت کو تباہ نہیں کرتا، اور جو باغ ہی کاٹ ڈالے گا تو باغ والا کیوں کر کہلائے گا اور فائدہ کیا پائے گا؟ سو خان بھائی تم ان کو تسلی کر کے سمجھا دینا کہ ان شاء اللہ تم کو کوئی تباہ و خراب نہ کرے گا۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں مگر یہاں کی حکومت دُرّانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے جس میں وہ راضی ہوگا ہم کریں گے، اس میں چاہے تمام جہاں ناخوش ہو، کچھ پرواہ نہیں۔ اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت، پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اگر ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت و سلطنت جاتی ہو تو اس کی رضامندی سب کچھ ہے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ سلطان محمد خان اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہوا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اس نے قبول کیا ہے، اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا و رسول کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا للہ معاف کرو۔ اگر یہ کلام نفاق اور دغابازی سے کرتا ہے تو وہ جانے، اس کا خدا جانے۔ شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ظاہر شریعت کا حکم ہے، اس میں چاہے کوئی راضی ہو چاہے ناراض ہو۔ اب جو ہم اس کا عذر نہ مانیں تو اس پر ہمارے

پاس کون سی دلیل اور حجت ہے؛ اگر کوئی عالم دیندار خدا پرست کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو تو ہم منظور کر لیں گے، اس کے بغیر ہرگز نہیں مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا و رسولؐ کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں۔"

تقریر کا اثر

حضرت سید صاحبؒ کی اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں کے روتے روتے ہچکیاں لگ گئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ آپ نے فرمایا حق بجا ہے، خدا و رسول کی رضا مندی کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دنیا داروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے۔ اب میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور از سرِ نو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

دوسرے دن صبح ارباب بہرام خاں نے سمہ کے سرداروں اور قندھاریوں کے سامنے پوری بات بیان کی، وہ بھی سب مطمئن اور خاموش ہو گئے۔

سلطان محمد خاں سے ملاقات اور پشاور کی سپردگی

سلطان محمد خاں نے کئی بار ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تو حضرت سید صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو ملاقات کے لیے بھیجا۔

مزاج پرسی کے بعد سلطان محمد خاں نے نیاز مندانہ گفتگو کی، اپنے گزشتہ افعال سے توبہ اور مولانا کے ہاتھ بیعت اور خدمت دین و شرکت مجاہدین کا عہد کیا، مولانا نے حضرت سید صاحب کے نائب کی حیثیت سے بیعت لی۔

دوسری ملاقات میں سردار سلطان محمد خاں نے عرض کیا آپ سے دو ملاقاتیں ہوئیں اب سید بادشاہ کی ملاقات باقی رہی، سو جس روز، جس وقت سید بادشاہ ملاقات کے واسطے یاد کریں میں حاضر ہوں۔

حضرت سید صاحب ملاقات منظور فرما کر ہزار خانی میدان کی طرف روانہ ہوئے، یہ اطلاع ملتے ہی پشاور کے ہزاروں شہری اس میدان میں جمع ہو گئے۔

سلطان محمد خاں پندرہ بیس سواروں کے ساتھ حاضر ہوا اور سلام کر کے مصافحہ کیا۔

حضرت سید صاحب نے کابل سے مایار کی جنگ تک کی ساری سرگزشت اور سلطان محمد خاں اور ان کے بھائیوں کے عہد و پیمان بار بار عہد شکنی کا سب حال بیان کیا، اور ان تمام باتوں کی وجہ دریافت فرمائی۔

ہندوستانی محضر

سردار سلطان محمد خاں نے بہت معذرت کرنے کے بعد ایک کاغذ اپنے خریطہ سے نکالا اور آپ کے سامنے رکھا، حضرت نے اس کو کھول کر دیکھا تو وہ ایک محضر تھا جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور پیرزادوں کی مہریں لگی ہوئی تھیں خلاصہ مضمون یہ تھا:

> "تم سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک آدمی چند علماء ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے، وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے مخالف ہیں، انھوں نے ایک

نیا دین و مذہب نکالا ہے، وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں، وہ انگریزوں کے بھیجے ہوئے تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں، تم کسی طرح ان کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا، عجب نہیں کہ تمہارا ملک چھنوا دیں، جس طرح تم سے ہوسکے ان کو تباہ کرو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو، اگر اس معاملہ میں سستی اور غفلت سے کام لوگے، تو پچھتانا پڑے گا۔ اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔"

حضرت سید صاحب یہ مضمون پڑھ کر عالمِ حیرت میں رہ گئے اور آپ نے سردار موصوف سے فرمایا:

"ہندوستان میں دنیا دار علماء اور مشائخ پیر پرستی اور قبر پرستی میں گرفتار ہیں اسی کو اپنا دین و آئین جانتے ہیں، حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے، اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے، ہمارے وعظ و نصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی، وہ پکے موحد اور متبع سنت ہوگئے، اس کی وجہ سے ان دنیا دار عالموں، پیروں کے شرک کا بازار سرد ہوگیا، اور اہلِ حق کی نگاہوں سے وہ گر گئے، اور جب ان سے کچھ نہ ہوسکا تب انھوں نے ہم پر بہتان و افترا کیا اور آپ کے پاس بھیجا، مگر آپ سے بڑی غلطی ہوئی، جواب تک اس امر کی اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین و دنیا کا نقصان کیا، ورنہ یہ شک و شبہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دور کر دیتے، اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔"

پھر آپ نے وہ محضر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دیا اور فرمایا اس کو حفاظت

سے رکھیے گا، ہر کسی کو نہ دکھلائیے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ ہمارے اکثر غازیوں کا یہ حال ہے کہ اگر یہ بہتان و افترا جان کر ان بدخواہوں کے حق میں بددعا کر دیں گے تو عجب نہیں کہ فوراً ان لوگوں کو نقصان پہونچ جائے ہمارے دل میں یہ ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے ملائے تو ہم ان کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

پھر آپ نے سردار سلطان محمد خاں سے فرمایا کہ جو تم نے چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا وہ ہم نے آپ کو معاف کیے کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کمی نہیں ہے، آپ ہمارے بھائی ہیں، آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں۔

قاضی کا تقرّر

سلطان محمد خاں کی درخواست پر آپ نے پشاور کے لیے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو قاضی مقرر فرمایا اور دس غازی ان کے ساتھ کیے۔ پھر آپ اُٹھ کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔

پنجتار کو واپسی

پشاور سے روانہ ہو کر حضرت چکنی، ہشت نگر، مردان ہوتے ہوئے امان زئی کی گڑھی میں تشریف فرما ہوئے۔

میر عالم خاں باجوڑی کی طرف سے ایک قاصد آیا اور یہ پیغام لایا کہ ہم کو پشاور کی فتح سے بڑی مسرّت و شادمانی ہے، اگر آپ ہمارے علاقہ کو اپنے قدوم

سے مشرف فرمائیں تو ہم سب بھی احکام شریعت قبول کریں گے۔

آپ نے اہلِ شوریٰ سے مشورہ فرمایا اور ان کی رائے کے مطابق خود تو پنجتار تشریف لے گئے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ روانہ فرمایا۔

موضع لونڈخور پہونچنے پر ملا کلیم، ملا سید عمران خار سے آئے اور بیان کیا کہ آپ کی باجوڑ اور سوات قصد کرنے کی اطلاع اہلِ سوات کو ہوگئی ہے اور وہاں کے خوانین سخت تردد میں پڑ گئے ہیں کہ آپ یہاں بھی احکام شریعت جاری کریں گے، اس لیے انھوں نے پہرے بٹھا دیے ہیں، اور وہ آپ کو باجوڑ نہ جانے دیں گے۔

یہ سُن کر مولانا تیزی سے آگے بڑھے اور خار میں داخل ہوگئے، وہاں پہونچ کر دیکھا کہ تمام خوانین نے ناکہ بندی کر رکھی ہے اور کسی طرح آپ کو باجوڑ جانے دینا نہیں چاہتے، یہ دیکھ کر مولانا نے مسجد میں قیام فرمایا اور ان خوانین سے پوچھا کہ آخر یہ لشکر عظیم کس لیے جمع ہوا ہے، خوانین کی طرف سے عنایت اللہ خاں نے جواب دیا کہ آپ میر عالم خاں کی درخواست پر باجوڑ جا رہے ہیں وہاں جب آپ اور میر عالم باہم متفق ہوجائیں گے تو پھر ہمارے اوپر بھی احکام شریعت جاری کریں گے، ان احکام کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہمارے اوپر شاق ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ تم خدا کے فضل سے مسلمان ہو، اور مسلمانوں کی اولاد ہو، تمھیں تو دینی محبت کی بنا پر احکام شرعی کے اجرا پر خوش ہونا چاہیے، یہ کیا اسلام اور دین داری ہے کہ تم احکام شرعی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو۔

اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ دینی احکام ہمارے اوپر شاق اور بار ہیں، اور ہم تم کو کسی طرح جانے نہ دیں گے، اور اس سلسلہ میں ہم جنگ تک کے لیے

تیار ہیں، اگر ہم غالب آئے تو ہم اپنے رسوم افغانی پر قائم رہیں گے، اگر تم غالب آئے تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقہ پر عمل کرسکیں۔

مولانا نے جب یہ بات سُنی تو فرمایا کہ ہم نے ایسے کلمہ گو جو شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ کا مصداق ابھی تک نہیں دیکھے تھے، ہم مجبور ہیں کہ امیر المومنین نے ہم کو تم سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی اور تم کو معلوم ہے کہ ہم بغیر ان کے کوئی کام نہیں کرسکتے ورنہ تمھاری اس پوری جمعیت کو دس قرابینوں کی باڑھ سے هَبَاءً مَّنْثُوْرًا کردیتے۔

دوسرے دن صبح مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیگر غازیوں کے ساتھ خار سے کوچ کرکے پنجتار کی طرف روانہ ہوئے۔

ستر ہواں باب

حکومت شرعیہ کے عمّال اور غازیوں کا قتل عام اور ہجرت ثانیہ

پشاور کی فتح کے کچھ ہی دنوں بعد پشاور اور سمہ کے علاقہ میں حکومت شرعیہ کے عمّال اور غازیوں کے بیک وقت قتل عام کا منصوبہ بنایا گیا، اور یہ طے کیا گیا کہ اس طرح حکومت اسلامیہ سے نجات حاصل کر لی جائے۔ اس کے اسباب و محرکات کیا تھے جس سے ایسا اندوہناک واقعہ پیش آیا جس نے میدانِ کربلا اور واقعۂ حرہ کی یاد تازہ کر دی، ان کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

اس قتل عام کا ایک بڑا سبب سرداروں، خوانین اور ملّاؤں کے ذاتی اغراض اور مصالح تھے۔ یہ لوگ حضرت سید صاحب کی آمد سے قبل اپنے مقاصد کے حصول میں بالکل آزاد اور ہر طرح کی قیود سے مبرا تھے۔ حضرت سید صاحب کی آمد اور آپ کی بیعت امامت اور نظام شرعی کے نفاذ سے ان کے خود ساختہ حقوق اور فوائد پر زد پڑی اور ان کو خوف لاحق ہوا کہ اگر چند روز بھی یہ نظام جاری رہا اور اس کی جڑیں مستحکم ہو گئیں تو ان کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ صوبہ سرحد اور افغانستان میں اسلامی شریعت کے متوازی ایک دوسرا آئین صدیوں سے جاری تھا جس کو ترک کرنے کو وہ تیار نہ تھے اور اس کی

حفاظت کے لیے جنگ تک کے لیے تیار رہتے تھے۔

تیسرا سبب وہ محضر تھا جو ہندوستان اور سرحد کے علماء نے تیار کیا تھا جس میں حضرت سید صاحب اور ان کے غازیوں کو بے دین وہابی، انگریزوں کے ایجنٹ قرار دے کر خون حلال کر دیا گیا تھا۔

مولانا خیر الدین شیرکوٹی نے جو لشکر اسلام کے ایک ذہین اور مبصر عالم تھے اس قتل عام کا بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا ہے جس کا خلاصہ منظورۃ السعداء سے نقل کیا گیا ہے درج ذیل ہے:

> "تقدیر الٰہی اور شہداء کی خوش قسمتی کے علاوہ، اس واقعہ کے چند ظاہری سبب معلوم ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس علاقہ کے لوگ زمانۂ قدیم سے اطاعت و فرماں برداری کے عادی نہیں ہیں، جب ان کو اس بات کا تنبہ ہوا کہ امام و امیر کی اطاعت ضروریات دین میں سے ہے تو انھوں نے اس کو قبول تو کر لیا لیکن اطاعت کو نماز، روزہ اور عشر کے اندر منحصر سمجھتے تھے، ان کے نزدیک اتنی ہی بات میں اطاعت ضروری تھی، اور وہ بھی مرضی کے مطابق جتنا دل چاہتا عشر وغیرہ دے دیتے، کم یا زیادہ، جب ان سے پورے پورے عشر کا مطالبہ ہوا، اور جنگ میں شرکت نہ کرنے کا تاوان بھی طلب کیا گیا، نیز لڑکیوں کی شادی اور داماد سے کچھ لیے بغیر ان کو رخصت کر دینے کی تاکید بھی کی گئی تو ان کی طبیعت پر یہ بہت شاق ہوا، اور ان کو یہ معاملات ناقابل برداشت اور تکلیف مالایطاق معلوم ہونے لگے۔

اسی کے ساتھ وہ محضر جو ہندوستان اور سرحد کے علماء نے تیار کیا

اس کا اثر سرداران پشاور کی کوشش سے جا بجا پھیل گیا، اور یہ مشہور ہو گیا کہ یہ گروہ جو جہاد کے نام سے یہاں آیا ہے، وہ دین کا مخالف ہے، اور وہابی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، اس سے ان لوگوں کے دل میں بدعقیدگی پیدا ہوئی، انھوں نے مجبوراً ان کی اطاعت قبول کی، چوں کہ مجاہدین کی قوت و شوکت روز افزوں تھی، ان کا کوئی قابو نہ چلا، اور حضرت امیر المومنینؒ کی تاکید لڑکیوں کے نکاح کی بابت خود لڑکیوں کی فریاد اور درخواست پر تھی، انھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ انصاف فرمایا جائے، اس پر یہ حکم صادر ہوا کہ جس منکوحہ کا شوہر موجود ہے، تین دن کے اندر اس کی رخصتی کر دی جائے، اور جو لڑکیاں بالغ ہو چکی ہیں، اور ان کے شوہر غیر موجود ہیں ایک مہینہ کے اندر ان کا نکاح اور رخصتی کر دی جائے۔ جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی انھوں نے ان لوگوں سے جو اس کام کے لیے مقرر ہوئے تھے، اپنی رخصتی کی درخواست کی، چوں کہ اہل علاقہ احکام شرعی قبول کر چکے تھے، اس لیے ان کا حیل و حجت کرنا معقول نہ تھا اپنے مروجہ رسوم و عادات کا جو خلاف شرع تھے ترک کرنا مناسب تھا (یہ سب ناراضگی اور شکایت مقامی خوانین تک محدود تھی) باقی ہندو بنیے اور اہل حرفہ ہندوستانیوں کی حکومت سے بہت خوش تھے، خوانین کی حکومت میں بڑا ظلم تھا وہ اپنی لڑکیوں کی شادی میں رعیت سے بڑی گراں قدر رقمیں وصول کرتے تھے، یہ سب احکام شرعی کے اجرا کی وجہ سے موقوف ہو گیا۔"

غازیوں کی شہادت

غازیوں پر حملہ کا آغاز سرداران پشاور نے کیا، سردار پیر محمد خاں نے مولانا مظہر علی عظیم آبادی، ارباب فیض اللہ خاں اور چار دیگر غازیوں کو دعوت کے بہانہ بلا کر شہید کر دیا۔

حضرت سید صاحب کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں وغیرہ کو بلا کر یہ حادثہ بیان کیا اور ملک سمہ کے دیہاتوں میں جو مجاہدین تعینات تھے ان کو واپس بلانے کو کہا۔

صبح حضرت نے سید اسمٰعیل رائے بریلوی کو بلا کر فرمایا کہ تم موضع شیوہ جا کر مولوی امکان شاہ قاضی القضاۃ کو اس حادثہ کی اطلاع دو اور ان سے کہو کہ تم کو سید صاحب کا حکم ہے کہ اسی وقت ہمارے پاس چلے آؤ، اور پھر رسالدار حمزہ علی خاں کے پاس جا کر کہو کہ تمام غازیوں کے پاس یہ پیغام پہونچا دیں۔ اسی وقت سید اسمٰعیل روانہ ہو گئے اور شیوہ میں مولوی رمضان شاہ کو آپ کا پیغام پہونچا کر یار حسین میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں کو یہی حکم سنایا۔

جب غازیوں کو یہ پیغام پہونچا تو سب نے یہ خیال کیا کہ مولانا مظہر علی صاحب کی شہادت کی وجہ سے شاید پھر پشاور چلنا ہے اس لیے حضرت نے طلب فرمایا ہے۔ ان کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکا کہ سمہ والے ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والے ہیں، اسی وجہ سے سب نے فوراً نہ روانہ ہو کر شام کو یا دوسرے دن صبح روانگی کا قصد کیا۔

اہل سمہ نے اس غدر کے لیے یہ اصطلاح ٹھیرائی تھی کہ "جوار کوٹیں گے" اس میعاد میں ابھی دو دن باقی تھے، جب مجاہدین اپنے دوستوں سے ملنے لگے کہ سید بادشاہ نے بلوایا ہے سو آج شام کو یا صبح کو ہم یہاں سے کوچ کریں گے، تو یہ خبر بعض خوانین کو ملی، انھوں نے جانا کہ یہ غازی یہاں سے سلامت نکلے جاتے ہیں

ان کو آج ہی سمجھ لیں۔

یہ مشورہ کر کے انھوں نے ڈوموں کے ذریعہ نقارہ بجوا کر اعلان کیا کہ "سید بادشاہ کی تاکید شدید ہے کہ جلد عشر کا غلہ پہنچاؤ، سو سب مل کر جس طرح سے ہو سکے، آج ہی جوار کو ٹنی شروع کر دو۔

عشار کی نماز کے وقت اچانک بستی والوں نے گھیر لیا اور غازیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، کوئی نماز پڑھنے میں شہید ہوا، کوئی نماز کی تیاری کرتے میں۔ یہی حال ہر بستی میں ہوا۔

چند آدمی جو کسی گھر میں پناہ گزیں ہو گئے، یا سادات اور حضرت کے اہلِ تعلق ملکیوں نے جن کی جان پر کھیل کر حفاظت کی وہ چند غازی زندہ سلامت پنجتار پہنچ سکے۔

موضع مینئی میں وہاں کے ملّا نے تین غازیوں کو اپنے گھر میں چھپا کر ان کی جان بچائی۔ پیر خاں جماعت دار مع غازیوں کے ایک مسجد میں محصور ہو گئے، چاروں طرف سے بلوائیوں نے مسجد گھیر لی اور آگ لگانے کی تیاری شروع کی آخر کار مجبور ہو کر غازی باہر نکلے اور مقابلہ کرتے ہوئے شہادت سے سرخرو ہوئے۔

ایک لڑکے کی جرأت

حافظ الٰہی بخش نابالغ تھے۔ ان کے ماموں کو بلوائیوں نے شہید کر دیا تھا اور ان کو بھی قتل کرنے کے لیے ایک ظالم نے تلوار سر پر رکھی، اس کے ایک ساتھی نے اس کو روک دیا کہ اس کو چھوڑ دو یہ حافظ قرآن ہے میں اس کو غلام بنا لوں گا، وہ شخص ان کو لے کر اپنے گھر گیا اور ان کی مرہم پٹی کے لیے ایک جراح کو مقرر کیا۔

اور اپنے بچوں کو ان سے قرآن پڑھوانے لگا، حافظ الٰہی بخش نے باوجودیکہ پشتو سیکھ لی تھی اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ ایک دن جراح کچھ لوگوں سے کہنے لگا کہ میں اس بچہ کے ایسی دوا لگاتا ہوں کہ زخم بجائے مندمل ہونے کے ہرا ہے مگر زخم ہے کہ خشک ہوتا جا رہا ہے، اب میرا ارادہ ہے کہ اس میں ایک زہر آلود بتی رکھ دوں تاکہ یہ مر جائے۔ حافظ نے اپنے ایک شاگرد سے یہ قصہ سنایا اور کہا کہ آپ مجھے امیر المومنین تک پہونچا دیں میں پانچ روپیہ آپ کو نذر کروں گا، اس نے پہونچا دیا۔ حضرت نے اس کو فوراً پانچ روپے دیے، اور واقعہ سننے کے بعد فرمایا کہ وہ خدا کا غلام ہے کس کی مجال ہے کہ اس کو غلام بنا لے، پھر نور بخش جراح کو علاج کے لیے مقرر فرمایا۔ نور بخش نے زخم دیکھ کر کہا کہ واقعی اس بدنیت جراح نے اس کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی تھی اس کے سر کی ہڈی خراب ہو گئی ہے اس کو نکالنے کی ضرورت ہے، چنانچہ ہڈی نکالی گئی، لڑکے نے حرکت تک نہ کی، نہ زبان سے اُف کیا، جراحی کے بعد کسی نے ارادہ کیا کہ لڑکے کو گود میں لے کر پہونچا دے، کہنے لگا زخم میرے سر میں ہے، میرے پاؤں میں تو نہیں، چنانچہ خود اپنے پاؤں چل کر لشکر میں گئے۔

مولوی خیر الدین کی حسن تدبیر

جب مولوی خیر الدین صاحب کو اس قتلِ عام کی خبر ملی تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے کہا جو تدبیر میں کروں اس میں نہ کوئی مشورہ دے اور نہ اس کی مخالفت کرے، سب ساتھیوں نے آپ کی اطاعت کا اقرار کیا۔

مولوی صاحب نے بستی کے ملکوں کو مسجد میں بلوایا اور کہا کہ ہم کو امیر المومنین نے بلوایا ہے، تم ایک رہبر ساتھ کر دو انھوں نے کہا کہ ہم جرگہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔ مولوی

صاحب نے کہا یہیں مسجد میں جرگہ کر لو۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک صدرالدین کو ان لوگوں نے رہبر مقرر کیا، اور وہاں سے چلے گئے۔ ملک صدرالدین نے بھی جانا چاہا، مگر مولوی صاحب نے روک لیا کہ یہیں ہمارے ساتھ ہی کھاؤ۔

مولوی صاحب نے بجائے پنجتار کا راستہ اختیار کرنے کے پڑان غار کا ارادہ کیا، جہاں کا ملک لعل محمد، بڑا دیندار اور سید صاحب کا مخلص تھا۔ پڑان غار جانے کا حال سوائے آخوند گل کے کسی کو معلوم نہ تھا۔ آخوند گل پشاوری عالم دیندار، پرہیزگار اور سید صاحب کا مخلص تھا۔

پڑان غار پہونچ کر ملک لعل محمد کے یہاں ایک ماہ قیام رہا، جب حضرت سید صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے تنگئی کے محمود خاں بارک زئی کو بھیجا، ان کے ساتھ مولوی صاحب مع غازیوں کے موضع مکدرہ تشریف لائے اور وہاں سے پنجتار پہونچے۔

حضرت سید صاحب نے ان کے استقبال میں گیارہ توپیں سر کیں۔

چھتر بائی اور امب کے غازی

حافظ مصطفیٰ جھنجھانوی اور شیخ بلند بخت دیوبندی تقریباً سو غازیوں کے ساتھ چھتر بائی اور امب میں تھے، وہ لوگ چند دنوں کے بعد سفر ہجرت ثانیہ میں برڈھیری کے مقام پر آپ سے آکر مل گئے۔

ان غازیوں نے چالیس روز تک پائندہ خاں کے لشکر کا مقابلہ کیا جو غدر کا حال سننے کے بعد ان مجاہدین پر حملہ آور ہو گیا تھا، اس درمیان سید اکبر شاہ آئے اور ان غازیوں کو بخیر و عافیت نکال کر عشرہ لے گئے اس طرح امب اور چھتر بائی کی گڑھی

پھر پائندہ خاں کے قبضہ میں چلی گئی۔

غدر کے اسباب کی تحقیق

انہی دنوں جب کہ جا بجا سے غازیوں کی شہادت کی خبریں آ رہی تھیں سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ پنجتار پہونچنا شروع ہو گئے اور ان سے جب دریافت کیا گیا کہ آخر تم لوگ کیوں اکٹھا ہو رہے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ جن لوگوں نے مجاہدین کو قتل کیا ہے ہم ان سے بدلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔

معمور خاں لکھنوی اور ابراہیم خاں رام پوری جو پہرے کے ذمہ دار تھے، حضرت سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور یہ صورتِ حال بیان کر کے کہا کہ یہ سب کام فتح خاں کا کیا ہوا ہے۔

یہ سُن کر حضرت نے مولانا محمد اسماعیل صاحب، ارباب بہرام خاں، احمد خاں، مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری، منشی خواجہ محمد حسین پوری، شیخ ولی محمد پھلتی وغیرہ کو بلوا کر ان سے مشورہ طلب کیا۔

ارباب بہرام خاں اور احمد خاں نے عرض کیا کہ یہ تمام فساد فتح خاں کا ہے، اور اسی کی سازش سے اتنے غازی مارے گئے، اگر آپ اجازت دیں تو ہم فتح خاں موذی کو مار ڈالیں، سب فساد رفع ہو جائے گا — آپ صرف پانچ سو غازی اور دو ضرب توپ ہمارے ساتھ کر دیں تمام ملک سمہ کو مفسدوں سے خالی کرانے کا ہمارا ذمہ ہے۔

حضرت نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم صاحبوں نے کہا ایک بھی ہم کو منظور نہیں، نہ فتح خاں کے حق میں نہ سمہ والوں کے حق میں۔ فتح خاں ہمارا محسن ہے، اس نے

ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ اوّل تو اس نے اپنے یہاں ہم کو جگہ دی، دوسرے آج تک ہر کہیں ہماری شرکت کی، اس کی طرف سے کسی امر میں بدگمانی نہیں کرنی چاہیے، اور جو کچھ معاملہ پیش آیا، مشیتِ الٰہی یوں ہی تھی، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے، جنھوں نے یہ فساد کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سے آپ سمجھ لے گا، ہم تو اپنے پروردگار کی رضامندی کا کام کرنے آئے ہیں، پتنہ داری اور نفسانیت کے لیے نہیں آئے ہیں اور جو تم صاحبوں کو ان کی طرف سے وسوسہ ہے تو فتح خاں کو بلا کر اس کا حال بھی دریافت کرلیں گے۔

پھر حضرت نے فتح خاں کو بلوا کر پوچھا کہ ان ملکیوں کو کس نے بلایا ہے؟ خان موصوف نے کہا کہ ان کو میں نے آپ کی مدد کے لیے بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو رخصت کر دو ہم کو اپنے پروردگار کی مدد کافی ہے۔ یہ سن کر فتح خاں نے ان لوگوں کو رخصت کیا۔

پھر فتح خاں خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہماری قوم آپ کی نصرت کرنا چاہتی ہے اور معمول کے مطابق عشر وغیرہ دینا چاہتی ہے۔

یہ سُن کر حضرت نے فرمایا، اپنی قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ تم اپنے قول میں سچے ہو، ہزارہا آدمی اپنے قول سے پھر گئے، اور انھوں نے غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وہ کیا جو کفار نہیں کرتے، اب تو ہم کو تمھارے لا الٰہ الا اللہ کہنے میں بھی شک ہے کہ سچے دل سے کہتے ہو کہ جھوٹے دل سے، تمھارا اقرار کلمۂ توحید محض قوم کے رسم و رواج کی بنا پر ہے، ہم کو تو اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے دل کا علاج کریں کہ کلمہ گویوں کی طرف ہمارا شک زائل ہو۔

چند روز کے بعد حضرت نے سردار فتح خاں کے ذریعہ اس ملک کے علماء، سادات اور ملک اور خوانین کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ اس ملک کے لوگوں نے ہمارے غازیوں کے ساتھ کشت و خون کا جو معاملہ کیا اس کا سبب کیا ہے، دغابازی کا ایسا معاملہ مسلمان لوگ عہد و پیمان کر کے کافروں کے ساتھ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ساتھ، اگر ایسا ہی کوئی قصور ہم لوگوں سے صادر ہوا ہے کہ اسی سزا کے لائق تھے، تو ہم کو آگاہ کریں کہ ہم اس سے تائب ہوں اور اپنے قصور پر نادم ہوں۔ اور جو بے خطا یوں ہی افترا بہتان کر کے انھوں نے یہ زیادتی کی ہے، وہ بھی معلوم ہو جائے پھر ہم کو اختیار ہے، چاہے معاف کریں چاہے اپنا بدلہ لیں، آپ خود سوچ سمجھ کر ہم کو اس کا جواب دیجیے۔

لوگوں نے کئی روز اس بارے میں گفتگو کی مگر کسی نتیجہ پر نہیں پہونچے، آخر تختہ بند کے سید میاں کو بلوایا گیا اور انھوں نے اس علاقہ کا دورہ کیا اور رزڑوں کی بستیوں کے چیدہ افراد کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ آخر تم نے جو بلوہ کر کے سید بادشاہ کے اتنے غازی قتل کیے اس کا کیا سبب ہے؟

یہ سُن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ لوگ ہم پر ظلم و تعدی کر کے ہماری بہنوں اور بیٹیوں کا نکاح کر ڈالتے تھے اور تھوڑے قصور پر ہم کو بے عزت کرتے تھے۔

سید میاں نے یہ سُن کر کہا، تمھارا یہ عذر بے جا اور نامعقول ہے، تم جو نکاحوں کی شکایت کرتے ہو وہ محض غلط ہے، انھوں نے جو نکاح کروائے وہ شریعت کے موافق اور تمھاری رضامندی سے تمھاری ہی قوم میں کروائے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے کچھ خطوط لا کر دیے کہ یہ خط ہندوستان کے علماء اور پشاور کے درانیوں نے ہم کو بھیجے، یہ خطوط اسی محضر کی نقل تھے جو سردار سلطان محمد خاں نے

kalahazrat@gmail.com

حضرت سید صاحب کو دیا تھا۔

سید میاں نے واپس آکر یہ تفصیل بیان کی، آپ نے سُن کر اس پر بڑا افسوس ظاہر کیا کہ ایک مدت کے سمجھانے کے باوجود ان پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا، اور نفاق ان کے دلوں سے نہیں گیا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر عتاب الٰہی ہے، بہتر یہی ہے کہ ہم اپنا معاملہ اپنے خدا کے سپرد کریں وہی منتقم حقیقی ہے۔ ہم نے سلطان محمد خاں کو بھی جب اس نے یہ محضر ہم کو دیا تھا، سمجھایا تھا مگر اس بہتان نامے کو دستاویز کر کے اس دغاباز منافق نے لوگوں کو فساد پر آمادہ کر کے یہ خرابی کی کہ صدہا مسلمانوں کا خون ناحق ہوا، اب ہم کیا کہیں؟ خدا اس کو سمجھے۔

اب ان لوگوں میں رہنا خوب نہیں، اب یہاں سے ہجرت کریں گے، اور جدھر اللہ تعالیٰ لے جائے گا ادھر جائیں گے، مگر یہاں نہ رہیں گے۔

ہجرت کا دوسرا سفر

حضرت سید صاحب نے ہجرتِ ثانیہ کا مصمم ارادہ فرمالیا اور اپنے غازیوں میں اس کا اعلان بھی کر دیا۔

جب آپ کی ہجرت کی خبر مشہور ہوئی تو حقانی علماء، سادات اور خوانین جو آپ کے دل و جان سے معتقد تھے سب کو انتہائی رنج ہوا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کرنے لگے کہ آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیں۔

ایک روز سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ خان موصوف کے ہمراہ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا آپ یہیں قیام فرمائیں ہجرت کا ارادہ نہ فرمائیں، ہم آپ کے فرمانبردار

اور جاں نثار ہیں۔

آپ نے یہ سُن کر فتح خاں سے کہا اگر تمام ملک سمہ و سوات و بنیر کے لوگ یہ کہیں کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور اکیلے تم کہو کہ جاؤ تو میں چلا جاؤں گا اور اگر تمام لوگ کہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تم اکیلے کہو کہ نہ جاؤ تو میں ہرگز نہ جاؤں گا، اگر اس بات کے کہنے سے تم کو کچھ لحاظ معلوم ہوتا ہو تو اپنے دل کی بات چپکے سے میرے کان میں کہہ دو۔

یہ کہہ کر آپ نے فتح خاں کو اپنے قریب بلایا اور ان سے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں، پھر فرمایا:

"ہم تم سے راضی ہیں، ہم کسی مصلحت سے یہاں سے جاتے ہیں ہندوستان کے جو لوگ اس طرف ہو کر آئیں تو ان کی خاطر داری کرنا، ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا:

"بھائیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عبادت میں شریک کیا اور تم نے محض لوجہ اللہ اس راستہ کے گرم و سرد کو برداشت کیا، تم نے نصرت و رفاقت کا حق ادا کیا اب ہم اس ملک سے دور دراز ملک کا قصد رکھتے ہیں، ہم کو خود معلوم نہیں کہ کہاں جائیں گے، سفر کو "قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ" کہا گیا ہے خصوصیت سے یہ سفر کوہستان کا ہے، اس میں کھانے پینے کی ضرور تکلیف ہوگی، مالوفات و عادات کو ترک کرنا ہوگا، اس لیے وہ شخص ہمارے ساتھ چلے، جو صبر و استقامت کے لیے تیار ہو، اور ملک کی شکایت زبان پر بھی نہ لائے، ہم

ابھی سے خبردار کر دیتے ہیں کہ تکلیف کے پیش آنے کے وقت کوئی یوں نہ کہے کہ سید نے ہم کو دھوکا دیا، یا یہ کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنی تکلیفیں پیش آئیں گی پس جو شخص اپنے اندر صبر و برداشت کی طاقت پائے وہ ہمارا شریک ہو۔

ہم تو اپنی پوری زندگی اپنے مالک کی رضا میں صرف کر دیں گے، اور جو شخص تکالیف جسمانی اور نفسانی پر صبر نہ کر سکے، وہ ہم سے علیحدہ ہو جائے۔ لیکن اس کو خراسان یا ہندوستان نہ جانا چاہیے، اگر وہ جاتا ہے تو عرب کا رُخ کرے اس لیے کہ ایمان کی حفاظت عرب کے سوا اور جگہ مشکل ہے، وہ حرمین شریفین کی اقامت اختیار کرے، اور وہاں کے حکام کی زیادتی اور وہاں کے مصائب پر صبر کرے کہ وہاں دین میں خلل نہیں آئے گا، اگرچہ بدعات سے وہ ملک بھی پاک نہیں ہے۔"

اس کے بعد مولانا محمد اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ تلاوت خوب کریں، ہم کثرت سے مراقبہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہم کسی ایسے مقام پر پہونچ جائیں جہاں جہاد کا نظم اچھی طرح ہو سکے۔

ان کلمات کو سُن کر لوگ رونے لگے اور کسی بھی ساتھی نے ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ کیا

آپ کی ہدایت کے مطابق مجاہدین نے اپنے مکانات صحیح و سالم رہنے دیے اور فالتو سامان دوسروں کے حوالہ کر دیا۔

آخر ایک روز پنجتار سے کوچ کر کے کنگلئی، نگری ہوتے ہوئے برڈھیری قیام فرمایا، یہاں شیخ بلند بخت دیوبندی اور حافظ مصطفیٰ صاحب اپنے ساتھی غازیوں کے ساتھ شریک لشکر اسلام ہوئے۔

برڈھیری سے نماز فجر کے بعد کوچ فرمایا اور چار کوس چل کر برندو ندی کے کنارہ پر پڑاؤ ڈالا۔

برندو ندی کے بعد راستہ بڑا دشوار گزار اور پہاڑ کی سیدھی چڑھائی تھی، ایک ایک قدم جما کر رکھنا پڑتا تھا، ہر قدم پر گرنے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ پہاڑ عبور کر کے موضع کرنا میں قیام ہوا اور فتح خاں جو اب تک ساتھ تھا یہاں سے رخصت ہوا۔

موضع کرنا سے چل کر دریائے سندھ پار کیا اور کابل گرام پہونچ کر آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھڑوں کے چھتہ سے سلامت نکالا، شکرانہ کی دو رکعت نفل پڑھ لیں۔"

پھر آپ نے وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور فرمایا:

"بھائیو! اب اس وقت ہم تم سے کہتے ہیں کہ سمہ میں جو کچھ بلوہ کشت و خون ہوا، یہ سب فتح خاں کی شرارت تھی، اور جو میں نے اس کو خلیفہ کیا اور خلافت نامہ دیا تو صرف مصلحت وقت جان کر، ورنہ وہ اس قابل نہ تھا اور درّانیوں نے ہم سے مل کر پھر ہم سے دغا کی مگر دوست محمد خاں بہت اچھا رہا، اس نے نہ بہت دوستی کی اور نہ دشمنی، اس کی طرف سے ہم کو کوئی شکایت نہیں اور بلوہ کے بعد جو ہمارے بعض غازی بھائی کہتے تھے کہ ہم کو اجازت دیجیے تو ہم ان سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لیں، ہم نے ان کو منع کیا، اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے وہ تمام معاملہ اپنے پروردگار کے سپرد کر دیا تھا، وہی خوب ان سے ہمارے بھائیوں کا بدلہ لے گا، ہم لوگ تو اپنے گھر سے یہ نیت کر کے نکلے ہیں کہ اپنی جانوں کو اللہ کی رضامندی میں صرف کریں گے، باغیوں کے ہاتھ

سے مارے گئے، یا کافروں کے ہاتھ سے ہمارا مطلب دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔"

راج دواری میں قیام

مقامی لوگوں کے مشورہ سے موضع راج دواری میں قیام فرمایا، کیونکہ یہ بستی مرکزی جگہ پر تھی، اور ایندھن پانی بھی یہاں افراط سے تھا۔

اسی درمیان سمہ کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے، اور واپس چلنے کے لیے سخت اصرار کیا، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا، اور ان سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے جلے ہوئے مکانات کو درست کرو۔

آپ کے ایک مخلص موضع ٹوپی کے آخوند بہار الدین شریک لشکر ہوئے اور انھوں نے بیان کیا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد ہری سنگھ لشکر کے ساتھ دریائے اتر کر سمہ میں آیا اور کہا کہ تم سب خالصہ رنجیت سنگھ کی رعیت تھے، کئی برس سے خلیفہ صاحب یہاں آکر تم پر حاکم ہوئے اور تم ان کی رعیت ہوئے، اور ان کو تم سب نے امام بنایا، پھر ان سے بغاوت کر کے غازیوں کو قتل کیا، خلیفہ صاحب یہاں سے کوچ کر گئے، اب پھر تم سب خالصہ کی رعیت ہو، بدستور سابق جو سالیانہ تم دیا کرتے تھے وہ دیا کرو۔

اس کے جواب میں ان لوگوں نے عذر و حیلہ کیا، اس میں گفتگو بڑھ گئی، ہری سنگھ نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے گھر بار لوٹ لو، لشکریوں نے ان کا مال و اسباب گھروں میں گھس کر لوٹا اور اکثر آدمیوں کی بیویوں اور بیٹوں کو بھی پکڑ لیا، اور اپنے ساتھ

لے کر مع لشکر دریائے سندھ سے اُتر کر چلا گیا۔

دروں کا انتظام

سردار ناصر خاں و حبیب اللہ خاں کے مشورہ سے کہ سکھوں کے آنے سے پہلے دروں کا انتظام کر لیا جائے، آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت میں لشکر روانہ فرمایا۔

مولانا نے پچاس آدمی اپنے پاس رکھے باقی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہ کر کے ان کو بھوگڑ منگ روانہ کیا اور خود سچوں میں داخل ہوئے۔

اٹھارواں باب

بالاکوٹ، سچوں اور مظفر آباد

پکھلی اور وادی کاغان کے روسا اور امرا سکھوں کے ظلم و تعدی کی وجہ سے اور کچھ آپسی نااتفاقیوں کی بنا پر اپنی اپنی ریاستوں سے جلاوطن اور دوسرے مقامات پر پناہ گزیں تھے۔

سلطان زبردست خاں اپنی ریاست مظفر آباد سے، راجہ مظفر خاں اپنے علاقہ سے جیب اللہ خاں گڑھی حبیب اللہ خاں سے محروم ہو کر پہاڑوں میں مقیم اور حضرت سید صاحب سے اعانت کے طالب تھے، یہ سارے علاقے کشمیر کے راستہ میں پڑتے تھے، اور ان خوانین کو مدد دینے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کے لیے سب سے موزوں علاقہ بالاکوٹ کا تھا۔

آپ نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کو حکم دیا کہ بالاکوٹ پہونچیں، اس حکم کی اطلاع مولانا نے مولوی خیرالدین صاحب کو دی۔ مولوی صاحب اپنے لشکر کے ساتھ بالاکوٹ پہونچے اس کے چند روز کے بعد مولانا محمد اسماعیل صاحب اپنے لشکر کے ساتھ بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ سخت برف باری کا زمانہ تھا، گوجروں کی رہنمائی میں جو پیال کی چپل پہنے برف پر آسانی سے چلتے تھے پہاڑوں کو عبور کیا، راستہ میں برف کی زیادتی کی وجہ سے

سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک جگہ مولانا محمد اسماعیل صاحب گر پڑے، اور متعدد دوسرے غازی بھی برف پر پھسل کر گر پڑے، گوجروں نے ان کو اٹھایا، اور کندھوں پر لاد کر اپنے گھروں کو لے گئے اور ان غازیوں کی مہمانی اور دیکھ بھال کی اگلے روز سب لوگ بالاکوٹ میں داخل ہوئے۔

سچوں میں

حضرت سید صاحب ساڑھے تین سو غازیوں کے ساتھ موضع سچوں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔

مظفر آباد

پکھلی اور کاغان کے روسا اور سلطان زبردست خاں کے اصرار پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے ملا قطب الدین ننگرہاری کو سردار کر کے دو سو غازیوں کے ساتھ سلطان زبردست خاں کی معیت میں مظفر آباد روانہ فرمایا، غازیوں نے دریا پار کر کے شہر پر حملہ کیا اور بازار و دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا، سلطان زبردست خاں نے غازیوں کا ساتھ چھوڑ کر سکھوں سے مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر غازیوں نے چھاؤنی پر حملہ کر دیا اور دست بدست جنگ کے بعد چھاؤنی کو سکھوں سے چھڑا لیا۔

اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ شیر سنگھ سلطان نجف خاں کے ساتھ بالاکوٹ کے درہ میں آگیا ہے اور گڑھی حبیب اللہ خاں میں اترا ہوا ہے اور اس کا ارادہ بالاکوٹ پر حملہ کرنے کا ہے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب اور مولوی خیر الدین صاحب مع نمازیوں کے بالاکوٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ بالاکوٹ کا جو راستہ گڑھی حبیب اللہ سے ہو کر گزر رہا تھا وہ سکھ لشکر کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ دوسرا راستہ نہایت دشوار گزار اور برف کی وجہ سے ناقابلِ استعمال تھا۔

جب حضرت سید صاحب کو غازیوں کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے چالیس پچاس گوجروں کو برف ہٹانے اور راستہ صاف کرنے کے لیے روانہ فرمایا، اس اثنا میں مولوی خیر الدین صاحب تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے، صحت یاب ہونے کے بعد جب مولوی صاحب چکر کاٹ کر بالاکوٹ پہونچے تو معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور ان کے اکثر ساتھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

حضرت سید صاحب کا وعظ

ایک روز حضرت سید صاحبؒ نے وعظ فرمایا جس میں ایک مثال بیان فرمائی:

"جب کسی کے مکان کی دیوار گر جاتی ہے، سارے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ مرد عورت، بچے سب اس کی درستی کی فکر میں لگ جاتے ہیں، ہر ایک اپنے مقدور بھر اس کی تیاری میں سرگرم ہوتا ہے، کوئی اینٹ لاتا ہے، کوئی مٹی لاتا ہے اور چھت کی تیاری میں منہمک ہو جاتا ہے، جب سارے گھر والے دن رات لگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ایک زمانہ کے بعد اپنے گھر کو درست اور آباد کر لیتے ہیں تو مدتوں تک اس میں آرام پاتے ہیں۔

اسی طرح اس زمانہ میں مسلمانوں کے دین کی عمارت منہدم ہو گئی ہے کفار

رہزنوں کی طرح مسلمانوں کے گھر کے مال و اسباب کو لوٹ رہے ہیں اور دست تعدی دراز کر رہے ہیں اس لیے کہ اس گھر کا کوئی نگہبان اور پاسبان نہیں رہا، اب سونے والوں کو اس خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیے، اور اپنے ویران مکان کی پاسبانی کر کے اور اس کا سامان مہیا کر کے اس کو آباد کرنا چاہیے اور ان رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے ان کو ان کے اعمال کی سزا دینی چاہیے اور ان سے اپنی خدمت لینی چاہیے، مکان کے آباد ہو جانے کے بعد اطمینان کے ساتھ وہ مکان میں رہ سکتے ہیں۔"

کشمیر پر حملہ کا ارادہ

کشمیر کے مسلمانوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور کشمیر کے مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا کہ ہم لوگ کفار کے ظلم و جور سے تباہ و برباد ہیں اور یہاں سے کشمیر صرف تین منزل ہے، اگر آپ تشریف لائیں گے تو انشاء اللہ ہم لوگ کفار کے ظلم و جور سے نجات پائیں گے، اور امام المسلمین کے زیر سایہ شریعت اسلامی پر عمل پیرا ہوں گے۔

جب حضرت سید صاحبؒ نے ان خوانین اور رؤسا سے مشورہ کیا جن کے علاقے کشمیر کے راستے میں پڑتے تھے تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ آپ تو اللہ کی مدد سے کشمیر پہونچ جائیں گے مگر اس کے بعد سکھ ہم کو تباہ و برباد کر دیں گے، اس لیے پہلے ان کو شکست دی جائے پھر آگے کا قصد کیا جائے۔

یہ سُن کر آپ نے ارادہ فسخ فرما دیا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کو جو بالاکوٹ میں منتظر تھے اس کی اطلاع دی اور چند روز کے بعد مولانا محمد اسماعیل صاحب کو طلب فرمایا، حضرت سید صاحب کا خط پاتے ہی مولانا فوراً خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔

ایک روز غریب اور امیر اکثر لوگ جمع تھے آپ نے ان سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"بھائیو! میں جو اپنے وطن سے اتنے بندگانِ خدا کو جا بجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی و مصیبت اٹھا کر تمہارے اس ملک کوہستان میں آیا ہوں تو فقط اسی واسطے کہ تم مسلمانوں کے ملک پر کفار غالب ہو گئے ہیں، اور تم کو طرح طرح کی تکلیف اور ذلت دیتے ہیں، ان کو اللہ کی مدد سے مغلوب کروں تاکہ تم اپنی اپنی ریاستوں پر قابض اور متصرف ہو، اور دین اسلام قوت پکڑے۔ اگر میں عیش و آرام کا طالب ہوتا، تو میرے واسطے ملک ہندوستان میں ہر طرح کا عیش و آرام تھا، اس کوہستان میں کبھی نہ آتا، میری مراد اس گفتگو سے یہ ہے کہ تم سب بھائی بھی کفار کی حکومت سے غیرت کرو، اور اپنی جان و مال سے میرے ساتھ شرکت کرو، اور کافروں کو مار کر یہاں سے نکال دو، اس کے بعد ان کا ملک چھینو اور اپنے تصرف میں لاؤ۔ اگر تم لوگ میرے ساتھ شرکت نہ کرو گے تو چند دنوں کے بعد ایسا غم و افسوس کرو گے کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے، پھر وہ افسوس و غم بھی کام نہ آئے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں اپنا کام لینا چاہے گا تو اپنے اور بندوں کو میرے ساتھ کر دے گا اور ان کے ہاتھوں سے اپنے دین اسلام کو غالب کرے گا۔"

حضرت سید صاحب نے چند روز دعا کا بڑا اہتمام فرمایا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کو دیگر مجاہدین کے ساتھ جنگل کو روانہ کرتے، مولانا کچھ دیر وعظ فرماتے پھر نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرتے اور خود حضرت سید صاحب ایک کوٹھری میں تنہا بیٹھ کر دعا کرتے۔

ایک روز گوجروں کا سردار چند آدمیوں کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے ان کا بڑا اکرام کیا اور ان کے لیے پُرتکلف کھانا پکوایا اور ہر ایک سے مزاج پرسی کی اور فرمایا

کہ یہ لوگ بڑے دین دار ہیں، پہاڑوں پر رہتے ہیں، بھیڑ بکری، گائے، بھینس پالتے ہیں، اور انھیں کے دودھ دہی وغیرہ سے اپنی گزران کرتے ہیں اور شر و فساد سے کام نہیں رکھتے، انشاء اللہ یہ لوگ ہمارے بڑے مخلص انصار ہوں گے۔ اسی طرح اکثر اوقات اس ملک کے صاحبِ اخلاص گوجر آپ کی خدمت میں آتے اور آپ ان کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔

سچوں سے بالاکوٹ

مظفر آباد سے مولوی خیر الدین صاحب نے اطلاع دی کہ شیر سنگھ مع لشکر مظفر آباد کے لیے چل پڑا ہے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی آپ نے علاقہ کے خوانین اور روساء سے مشورہ کر کے بالاکوٹ تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا اور ۵ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے لشکر کے ساتھ سچوں سے کوچ کیا اور بالاکوٹ تشریف لے گئے۔

بالاکوٹ کا محل وقوع

بالاکوٹ وادی کاغان کے جنوبی کنارہ پر واقع ہے، یہاں پہونچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے، دریائے کنہار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں، اس کے درمیان سے دریائے کنہار بہتا ہے، بالاکوٹ کے مشرق میں کالوخاں کا بلند ٹیلہ ہے، مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، بالاکوٹ کے شمالی جانب تین ٹیلے ہیں، جنھوں نے مل کر ایک دیوار بنا دی ہے، مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے۔

حفاظتی انتظامات

شیر سنگھ دریائے کنہار کے مشرقی کنارہ پر جو بالاکوٹ سے دو ڈھائی کوس ہے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے تھا۔ حضرت سید صاحب نے ملا لعل محمد قندھاری کو اس پہاڑی پگڈنڈی پر مقرر فرمایا جو بالاکوٹ میں داخل ہونے کا پرانا راستہ تھا اور ان کی کمک کے لیے قندھاریوں کی ایک جماعت کو مٹی کوٹ پر مقرر فرمایا۔

جنوبی سمت کی ناکہ بندی پر امان اللہ خاں لکھنوی کو پچیس غازیوں کے ساتھ مقرر کیا اور بالاکوٹ کے پل پر کچھ غازی متعین کیے اور سب کو حکم دیا کہ جیسے ہی سکھ لشکر آگے بڑھے اس کی اطلاع بندوق داغ کر دیں۔

چند روز کے بعد آپ نے ملا لعل محمد قندھاری کو اپنے پاس بلالیا اور ان کی جگہ مرزا احمد بیگ پنجابی کو بھیجا۔

آخری جنگ کی تیاریاں

اس درمیان آپ کو اطلاع ملی کہ سکھ لشکر دریا پر پل بنا رہا ہے۔ آپ نے حبیب اللہ خاں سے پوچھا کہ کیا یہاں کا کوئی اور بھی راستہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک پہاڑی پگڈنڈی ہے لیکن سکھوں کو اس کا علم نہیں ہے اگر اسی ملک کا کوئی بھیدی طمع دنیا سے بِک لے کر ان کو لے آئے تو آسکتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کچھ اندیشہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اگلے روز اس پہاڑ پر جہاں مرزا احمد بیگ متعین تھے بندوقیں چلنی شروع ہوئیں اور جابجا گوجر پکارنے لگے کہ سکھ لشکر آرہا ہے۔

حضرت سید صاحب نے تمام مجاہدین کو جو جابجا متعین تھے اپنے پاس بلالیا اور فرمایا

اسی بالاکوٹ کے نیچے ان سے لڑیں گے اسی میدان میں لاہور ہے، اسی میں جنت ہے اور جنّت تو پروردگار نے ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دنیا کی ریاست اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہاں سے جو عمدہ چیز ہو اس کو اپنے پروردگار کے نذر کرکے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کرنے کو تو میں ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

عشاء کے بعد آپ نے ملا لعل محمد قندھاری سے فرمایا بھلا تم ستبنے کے اس نالہ پر ہوکر اور پہاڑ کے اوپر جاکر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو، انھوں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں مار سکتے ہیں مگر اس شرط سے کہ آپ کو یہاں تنہا نہ چھوڑیں گے، اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے کیوں کہ اتنے برس اس ملک میں رہ کر یہاں کے لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا، ان سے نفاق دور ہونا بہت مشکل ہے۔

آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو، حقیقت حال یہی ہے۔ اتنے برس ہم نے اس کارِ خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش اور جاں فشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے، انھوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو ہر طریقہ پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے مگر سوائے تم غرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افترا کیا اب ہمارے کاتب بھی خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آگئے اور کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے سب غازی بھائیوں کو پہروں پر سے اپنے پاس بلوالیں۔ کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے، اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو

ان پر فتح یاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے، اور جو شہید ہو گئے تو انشاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔

بھائیو! آج رات کو اپنے پروردگار سے بہ کمال اخلاص توبہ و استغفار کرو، یہی وقت فرصت کا ہے، کل صبح کو کفار سے مقابلہ ہے خدا جانے کس کی شہادت ہے اور کون زندہ رہے۔

انیسواں باب

مشہد بالاکوٹ

شہادت کی صبح

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کی صبح صادق نمودار ہوئی تو اذان ہوئی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ نماز اشراق کے بعد پھر مسجد تشریف لے گئے اور سائبان کے نیچے بیٹھ گئے۔

پہلا شہید

پٹیالہ کے سید چراغ علی بیٹھے کھیر پکا رہے تھے، قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی، اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت طاری تھی، یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو ایک حور کپڑے پہنے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد بولے دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے، یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف دوڑ پڑے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

پہلے مورچہ پر

حضرت سید صاحب مسجد کے سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، سکھوں کی طرف

سے مسلسل گولیاں آ رہی تھیں۔ آپ نے مجاہدین کو مقابلہ کی اجازت دی اور اس طرح دونوں طرف سے گولیاں چلنے لگیں، پھر آپ دعا میں مشغول ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے میدان کی طرف بڑھے۔ پھر آپ نے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر حملہ کیا۔ اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے سپر بن کر چل رہے تھے، وہاں سے پچیس تیس قدم پر ایک پتھر ابھرا ہوا تھا، آپ نے اس کی آڑ لے کر مورچہ بنایا، جیسے سکھوں کا گروہ سامنے آیا یکبارگی تکبیر کہہ کر بندوق والوں نے ایک باڑھ ماری اس کے بعد دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری، ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار مقتول ہوئے حضرت سید صاحب مسلسل سکھوں پر بندوق سے گولی چلاتے رہے اور آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی خون آلودہ ہو گئی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب دھان کے ایک کھیت میں مورچہ جمائے بندوق سے گولیاں چلا رہے تھے۔

دونوں لشکروں کی طرف سے اس قدر شدت سے گولہ باری ہو رہی تھی کہ آسمان بارود کے دھوئیں کے سبب تاریک ہو چکا تھا۔ اس وقت مجاہدین نے بندوقیں اور قرابین گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبارگی بآواز بلند اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ کر زبردست حملہ کیا۔ اس وقت سکھ لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ اسی درمیان سب لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو نہ سید صاحب کا نشان نظر آیا اور نہ آپ خود دکھائی دیے۔ اس صورت حال کا مجاہدین پر یہ اثر پڑا کہ اکثر لڑائی میں سست ہو گئے اور حضرت کو تلاش کرنے کے لیے جابجا پھرنے لگے اسی اثنا میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کے سر میں گولی لگی اور آپ شہادت سے سرخرو ہوئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر سکھوں نے دوبارہ سخت حملہ کیا، مجاہدین دل برداشتہ اور منتشر ہو چکے

تھے ان میں سے اکثر حضرت سید صاحب کو تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے اس لیے بہت آسانی کے ساتھ سکھوں کی گولیوں کا شکار ہو رہے تھے، اسی اثنا میں ایک آواز آئی، غازیو! تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گوجر لوگ ست بنے کے نالہ میں ہو کر لیے جاتے ہیں۔ یہ سُن کر اکثر غازی اس طرف چل پڑے اور ان میں سے کچھ شہید ہوئے اور کچھ بچ کر سلامت نکل گئے۔

سکھوں نے بالاکوٹ قصبہ میں آگ لگا دی اور بیمار مجاہدین کو شہید کر دیا۔ مجاہدین کی باقی ماندہ جماعت پانی کے چشمہ پر اکٹھا ہوئی، وضو کر کے باجماعت نماز ادا کی گئی، اور وہیں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ حضرت امیر المومنین کی ران پر بندوق کی گولی لگی اور سر مبارک پر پتھر سے زخم آئے۔

شہداء کی تدفین

سکھوں کے جانے کے بعد بالاکوٹ کے باشندوں نے تمام لاشوں کو اکٹھا کیا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کو علیحدہ علیحدہ دفن کیا اور باقی لاشوں کو مٹی کوٹ کے ایک نالہ میں جمع کیا، اوپر سے مٹی ڈال کر گنج شہیداں بنا دیا۔

حضرت سید صاحب کی شہادت

واقعہ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین و دیگر اہل تعلق میں اس بات کا بڑا چرچا رہا کہ حضرت سید صاحب کی شہادت ہوئی یا آپ بمصلحت روپوش ہو گئے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا شہادت کا خیال غالب آتا گیا۔

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری "سوانح عمری" میں تحریر کرتے ہیں:

"ایسی بہت سی روایتیں ہیں کہ اس واقعۂ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سید صاحب اور ان کے رفیقوں کو دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیبوبت میں روز اوّل سے اختلاف ہے لیکن اب بُعد زمانہ کے سبب جو ساٹھ برس سے زیادہ ہو گئے خیال غیبوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے"

مولانا سید جعفر علی صاحب خضر خاں کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ بعض ملکیوں سے جو سکھوں کے لشکر میں تھے معلوم ہوا کہ جنگ کے اختتام کے بعد شیر سنگھ نے بعض غازیوں سے جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے کہا کہ سچ سچ بتلاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ صاحب کا جسم مبارک کون سا ہے؟ انھوں نے لاشوں میں ایک جسم دیکھا جس کا سر نہیں تھا، اس جسم کو انھوں نے آپ کا جسم قرار دیا۔ شیر سنگھ نے اس پر دو شالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور پچیس روپیے خیرات کے لیے دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں، چنانچہ ملکیوں نے اسی طرح عمل کیا۔

مدفن

حضرت سید صاحب کی قبر کے بارے میں قرین قیاس بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا جسم و سر مبارک جمع کر کے دریائے کنھار کے قریب دفن کیا گیا۔ بعد میں اکالیوں نے قبر کھود کر جسم مبارک دریا میں بہا دیا اس طرح جسم اور سر مبارک دریا میں بہتے ہوئے دو علیحدہ مقامات پر دفن کیے گئے۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک میں ہیں، آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہوگا جو دوسرے بزرگانِ دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی۔ حضرت نے فرمایا:— میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے، نہ قبر رہے گی نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دُعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہیں چلا۔"

دربار لاہور کا اعلانِ جشنِ مسرّت

رنجیت سنگھ اس فتح کی اطلاع کی خوشی سے باغ باغ ہو گیا جس نے اس کو اس دردسری اور پریشانی سے نجات دی، جس میں اس کی حکومت کئی سال سے مبتلا تھی۔ اس نے حکم جاری کیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سر ہوں، اور امرتسر میں اس واقعہ کی مسرّت و شادمانی میں چراغاں کیا جائے، اور قاصد کو، جو یہ اطلاع لایا تھا سونے کے کنگن کی ایک جوڑی انعام میں دی۔

گورنر جنرل کے سکریٹری نے کیپٹن سی ایم ویڈ پولٹیکل ایجنٹ لدھیانہ کو ہدایت کی کہ اس خبر کی تصدیق ہوتے ہی گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کو اس فتح پر مبارکباد پیش کریں۔

بیسواں باب

اوصاف و کمالات

حضرت سید صاحب کے اخلاق و اوصاف کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آپ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت تامّہ اور مزاج نبوی سے طبعی و ذوقی اتحاد نظر آتا ہے۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی بیان کرتے ہیں:

"حضرت کو پہچاننے کو تھوڑی سی سیدھی عقل اور حدیث سے تھوڑی سی واقفیت چاہیے۔ اکثر اولیا کو بعض انبیا کا پرتو عنایت ہوتا ہے، ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عنایت کیا اور گروہ پر حضرتؐ کے صحابہ کا پرتو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں اتباعِ سنت کی محبت اور ایمان کی غیرت حد سے زیادہ ہوئی اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا۔"

اعتدال و توسط

مولانا جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ بہت کثرت سے لوگ

راہ راست پر آگئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے وہ وضع اختیار نہیں کی جو میں چاہتا ہوں وہ افراط و تفریط کے درمیان توسط و اعتدال کی راہ ہے جو حضرت امیر المومنین کے صحبت یافتہ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔"

عالی ہمتی، سخاوت و دریا دلی

نواب وزیر الدولہ بیان کرتے ہیں:

"آپ نہایت درجہ سیر چشم، دریا دل اور شاہانہ مزاج کے انسان تھے، طبیعت بے حد مستغنی اور بے نیاز تھی، دنیا کی دولت کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے، اور خزائن شاہی کو خاطر میں نہ لاتے۔"

شجاعت اور اعتماد علی اللہ

آپ کی شجاعت اور اللہ کی نصرت پر اعتماد و توکل اور بے خوفی، مجاہدین اور دشمنانِ اسلام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ تمام جنگوں میں جن میں آپ شریک ہوئے آپ نے ہمیشہ لشکر کی قیادت کی اور بہ نفس نفیس دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر دشمنوں پر ہیبت طاری کر دی۔

عفو و درگزر

ایسی بے مثال شجاعت کے ساتھ عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور عالی ظرفی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، بلکہ جس

نے تکلیف پہونچائی اس کے ساتھ مزید حسن سلوک کیا، اس سلسلہ میں زہر خورانی کا واقعہ اور دیگر واقعات بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔

حیا

آپ کے مزاج میں حیا کا مادہ بہت تھا اور یہ بھی اس ذات گرامی کا ایک پرتو تھا۔ حاجی زین العابدین رام پوری فرماتے ہیں:

"ہزاروں عورتوں نے آپ سے بیعت کی، بعض پردہ نشین تھیں اور بعض آپ کے سامنے آجاتی تھیں، لیکن کبھی آپ کی نظر ان پر نہیں پڑی۔ بیعت کا بھی طریقہ یہ تھا کہ آپ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیتے تھے اور دوسرا کنارہ وہ تھام لیتی تھیں اور آپ ان کو توبہ کراتے اور احکام شریعت کی پابندی کا عہد لیتے۔"

ایذا رسانی سے احتراز

مخلوق خدا پر آپ کو بہت شفقت تھی کسی کی تکلیف آپ سے دیکھی نہیں جاتی۔ کوئی جانوروں تک کو اگر ستاتا تو آپ بہت آزردہ ہوتے، اور اس کا مداوا کرتے۔

مسلمانوں کے درمیان مصالحت

مسلمانوں کے آپسی افتراق و انتشار کو دور کرنے کے لیے آپ مسلسل کوشاں رہتے، اور اس کی خاطر ہر طرح کی تکلیف اٹھاتے۔

رفقاء پر شفقت

رفقاء پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ماں باپ کی شفقت کو لوگ بھول گئے تھے۔

مولانا سید جعفر علیؒ لکھتے ہیں:

"دین دار مجاہدین کے حال پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ سمجھتا تھا۔"

مساوات

حضرت سید صاحب امتیاز اور مشیخت کو پسند نہیں کرتے تھے، ہر کام میں اپنے رفقاء کے ساتھ شریک رہتے، لکڑیاں کاٹتے، گھاس چھیلتے، جھونپڑیوں کی تعمیر اور دیگر خدمات میں مشغول رہتے۔

حمیت شرعی

شریعت کے معاملہ میں آپ انتہائی غیور اور حساس تھے اور اسی غیرت وحمیت اسلامی کی وجہ سے آپ نے جہاد فی سبیل اللہ شروع کیا، محض وعظ و تبلیغ اور سلوک و ارشاد پر اکتفا نہیں کیا، بالآخر اسی راہ میں جان دے دی۔

شاہ سلیمان کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل

گرلیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دی ہے، کفر و شرک کا غلبہ ہوگیا ہے، اور شعائرِ اسلام اٹھ گئے ہیں یہ حال دیکھ کر دل رنج و غم اور غم و ملال سے پُر ہوگیا اور ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا اور دل میں غیرتِ ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔"

یہ حمیّت صرف مخالفین اسلام اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ پر ہی نہ تھی بلکہ کسی قریب ترین عزیز یا رفیق سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا جس سے شریعت کی تحقیر یا جناب الٰہی میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا تو آپ برداشت نہ کر سکتے اور آپ اس پر سخت نکیر فرماتے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

سید عبد الرحمٰن صاحب کہتے ہیں:

"سفرِ حج سے واپسی پر راستہ میں مولوی کرامت علی صاحب بہاری کا الہ آباد سے خط آیا۔ آپ نے وہ خط پڑھنے کے لیے مجھے دیا، اس میں القاب و آداب کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ جناب والا کا سرفراز نامہ اس طرح شرفِ صدور لایا جیسے آسمان سے وحی۔ ابھی میں یہیں تک پہونچا تھا کہ ان لفظوں کو سنتے ہی آپ نے خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کو پھاڑ کر بتّی بتّی کر دیا اور فرمایا جس خط کا عنوان بارگاہِ الٰہی میں ایسی گستاخی اور بے ادبی ہو اس کا مضمون کیا دیکھا جائے، خود کو تو پیغمبر ٹھیرایا اور مجھے نعوذ باللہ خدا ہی بنا دیا۔"

دُعا

حضرت سید صاحب کی ایک خاص صفت دُعا تھی جو عبودیت کا لب لباب اور

حضرات انبیاء کی وراثت ہے اکثر برہنہ سر ہو کر ایسی عاجزی و انکسار و درماندگی سے دعا کرتے کہ رحمت الٰہی کو جوش آجاتا، سننے والوں کے دل اُمنڈ آتے اور آنسوؤں کا دریا بہہ جاتا۔

نواب وزیر الدولہ بیان کرتے ہیں:

"دعا اور خدا کے سامنے گریہ وزاری کا آپ کو بڑا ذوق تھا، لوگوں کو دعا کی تعلیم دیتے اور خدا سے عرض و نیاز کا شوق دلاتے، اس وقت خطراتِ شیطانی اور وساوسِ نفسانی یکسر معدوم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، بعض شخص وارفتہ و مدہوش ہو جاتے، حاضرینِ مجلس کو اس قدر صفائی باطن اور ترقی روحانی حاصل ہوتی جو دوسرے اشغال و اذکار اور چلّوں سے کم حاصل ہوتی۔"

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ آپ کی تین خصوصیتیں تھیں:

ایک خشوع و خضوع اور گریہ و نیاز کے ساتھ نماز،

دوسرے قرآن کا علم و عمل،

تیسرے دعا مقبول۔

ایمان و احتساب

آپ کی زندگی کا ایک خاص شعبہ ایمان و احتساب تھا جو دراصل پورے نظام دینی کی روح ہے، آپ خود ارشاد فرماتے تھے:

"میں نے مدۃ العمر آنے جانے، لینے دینے، اٹھنے بیٹھنے، حرکت و سکون، غصہ و بردباری، قہر و مہر، کھانے پینے، پہننے اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا جس میں رضاء الٰہی کی نیت نہ ہو، اور کوئی کام میں نے نفس کے تقاضے اور خواہش

سے نہیں کیا۔"

اتباعِ سنّت

نواب وزیرالدولہ لکھتے ہیں:

"آپ مجسم شریعت و سراپا اتباع سنت تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری، مراتب باطنی، روشن دلی اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ سب اتباع شریعت کی برکت اور پیروی سنت کی سعادت ہے۔"

اسی کے ساتھ آپ کو بدعات سے سخت نفرت تھی کہ اس کا سایہ بھی گوارہ نہ تھا۔ ایک خلافت نامہ میں ترک بدعت کی تشریح فرماتے ہیں:

"ترک بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور امور معاشیہ و معادیہ میں حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پوری قوت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے۔ اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے اس میں ایجاد کی ہیں۔ مثلاً رسوم شادی وغمی، قبروں کی زیب و زینت ان پر عمارتوں کی تعمیر، عرسوں کا اسراف و فضول خرچی، تعزیہ سازی وغیرہ، ان کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے، اور حتی الامکان ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے، پہلے خود ان کو ترک کیا جائے، پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہیے، اس لیے کہ جیسے اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔"

محبّت و خشیّت

حضرت سید صاحب میں محبّت کی نسبت اتنی غالب تھی کہ اس کے اثرات حاضرین مجلس اور نماز میں مقتدیوں پر پڑتے تھے، کبھی کبھی حضرت محبت الٰہی کے جذبات سے مغلوب ہوکر یہ شعر پڑھتے:

دلم براہ تو صد پارہ باد و ہر پارہ
ہزار ذرہ و ہر ذرہ در ہوائے تو باد

لیکن محبت کے ساتھ خشیت الٰہی کا بھی غلبہ رہتا۔

نواب وزیرالدولہ لکھتے ہیں:

"حضرت پر محبت الٰہی کے ساتھ خشیت الٰہی ہر وقت طاری رہتی تھی، سوء خاتمہ کا ڈر ایسا غالب رہتا تھا کہ جو آپ کی صحبت میں رہا اس کا یہی حال بن گیا، رقت و خشیت کی تصویر بن گیا، اور اسی کے ساتھ خدا کی محبت و سرور نے اس کو ایسا وارفتہ و خود فراموش بنا دیا کہ دنیا اس کو بے حقیقت معلوم ہونے لگی، وہ ایک ہی وقت میں باغ خنداں اور دیدۂ گریاں بن گیا۔"

صفات امارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب کو جو جامعیت اور شانِ امامت عطا فرمائی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زیر سیادت مختلف استعدادوں کے افراد پورے ذوق و شوق سے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ دین کی خدمت میں مصروف تھے۔

آپ جماعت کے افراد میں سے جس فرد میں جو نمایاں خصوصیت و استعداد دیکھتے

تھے وہی خدمت اس کے سپرد فرماتے تھے اور اس کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔
جماعت کے بعض ممتاز افراد کو آپ نے جہاد بالسیف کے بجائے تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تربیت پر مامور فرمایا، بعد کے واقعات نے یہ ثابت کردیا کہ آپ کا یہ اقدام درست تھا، ان لوگوں سے لاکھوں بندگان خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔

مولانا سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو جنوبی ہند روانہ کیا، اسی طرح مولانا کرامت علی جون پوری کو بنگال روانہ فرمایا، جب مولانا نے جہاد میں ہمرکابی کے لیے عرض کیا تو فرمایا، "تم سے خدا کو وراثت نبوی اور تبلیغ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمھارے اندر اس کی استعداد ودیعت فرمادی ہے، تمھارے لیے یہ تبلیغی کام جہاد اکبر ہے، اور تمھاری زبان و قلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔ مولانا کا فیض بنگال میں اتنا عام ہوا کہ لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے اور ہزاروں نے اسلام کی راہ پائی۔ جماعت پر نظر ڈالیے تو اس میں ہر صلاحیت اور کمال کے لوگ نظر آئیں گے۔
حضرت سید صاحب کے مریدوں میں جہاں حضرت شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی، مولانا سید محمد علی رام پوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی جیسے سرآمد روزگار علماء و فضلاء اور حاجی عبدالرحیم ولایتی، مولانا نور محمد جھنجھانوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید محمد طاہر حسنی اور مولانا محمد یوسف پھلتی جیسے صلحاء اور صاحب نسبت مشائخ نظر آئیں گے، وہیں اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر حکیم مومن خاں مومن دہلوی بھی دکھائی دیں گے جن کا قصیدہ اب بھی یادگار ہے، جن کا یہ شعر ان کی قلبی محبت اور ارادت کو ظاہر کرتا ہے:

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ
کرو فکر مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ہے

ایسی بلند مرتبہ شخصیات سے کام لینے کے لیے اعلیٰ درجہ کی فراست اور مردم شناسی کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جوہر بدرجہ کمال عطا کیا تھا۔

جماعت کی سیرت سازی

حضرت سید صاحب کا سب سے عہد آفریں کارنامہ اور کرامت، آپ کی تربیت کی ہوئی وہ جماعت تھی جس کی مثال اتنی بڑی تعداد اور اس جامعیت و کاملیت کے ساتھ خیر القرون کے بعد نظر نہیں آتی، یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ یہ جماعت مجاہدین تیرہویں صدی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھی، یہ لوگ عقائد، اعمال و اخلاق، اتباع سنت شریعت کی پابندی، عبادت و تقویٰ، سادگی اور ایثار، خدمت خلق، غیرت دینی، حمیت اسلامی، صبر و استقامت اور شوق شہادت میں مہاجرین و انصار کا نمونہ اور نقش قدم تھے۔

تجدید دین

حضرت سید صاحب کا اصل کام صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا اور اسلام کی دعوت کو نئے انداز سے اسی قوت اور روح کے ساتھ پیش کرنا تھا جس کی اس زمانہ میں ضرورت ہے۔

آپ نے حقیقی اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دی، آپ کے وجود نے باران رحمت کا کام کیا، آپ کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا اور دین کا راستہ اختیار کیا، فاسق و فاجر متقی و پاکباز بن گئے، ہزاروں غافل و کم ہمت، شیخ وقت اور سالک راہ خدا ہو گئے، جدھر سے آپ کا گزر بھی ہو گیا وہاں طاعت الٰہی اور خشیت کا ماحول بن گیا، گناہوں

kalahazrat@gmail.com

سے نفرت پیدا ہوگئی، شراب کی دوکانیں بند ہوگئیں، مسجدیں آباد ہوگئیں۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

"جس وقت دعوت کی آواز ملک ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمع ہدایت پر ہجوم کرنے لگے یہاں تک کہ ایک ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی، ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور مذاہب باطلہ سے توبہ کی پانچ چھ برس کے عرصہ میں تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے۔"

پھر لکھتے ہیں:

"جو شخص اعتقاد کے ساتھ اس گروہ میں داخل ہوا اور اس نے بیعت کی، اسی وقت سے اس کو دنیا سے نفرت اور عاقبت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے، شرک و بدعت سے محض پاک ہوجاتا ہے اور اللہ کی محبت و عظمت، شرع کی تعظیم و توقیر، نماز کا شوق اب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو بُرے لگنے لگتے ہیں۔"

مولانا کرامت علی جون پوری لکھتے ہیں:

"اس امت مرحومہ کے لیے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سید احمد کو اس تیرہویں صدی کا مجدد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا کر دیا اور دین کے علم کو خوب پھیلایا۔"

مزید لکھتے ہیں:

"اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوگی کہ اس ملک کے مردوں اور عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہوگیا، اب ہر قوم کی عورت مرد نمازیں مستعد ہوگئے ہیں، قرآن شریف کا صحیح اور با تجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہوگیا ہے اور حافظوں کی کثرت ہوگئی ہے یہاں تک کہ عوام کی عورتیں حافظ ہوگئیں۔"

مولانا حیدر علی رام پوری تحریر فرماتے ہیں:

"ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلوب عباد میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سیدان ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے آکے اشراک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسب عادت زمانہ خوگر ہو رہے تھے توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے، اور اکثر ملکوں میں خلفاءِ راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدی کی راہ راست بتادی جن کو سمجھ تھی اور توفیقِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی وہ اس راہ پر چلے۔

اور ہزاروں خلیفہ جابجا مقرر ہوئے کہ ان سے ایک سلسلہ بیعت وارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ جو نماز روزہ سے بیزار اور بھنگ کو بیچنے کا کاروبار رکھتے تھے اشراب اور تاڑی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا اور کہتے تھے کہ نماز کبھی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کو نسل کا آئین، زکوٰۃ اور حج کا پھر کیا ذکر ہے۔ شب و روز رشوت، زنا اور مردم آزاری و سود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سیکڑوں ولد الزنا ان سے پیدا ہوئے اور صدہا پیر و جوان نامختون نصاریٰ

اور مشرکوں کی مثل تھے، محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے، نیک اور پاک متقی ہو گئے۔ حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہنود اور رافضی اور جوگی اور انت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے، اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آگر خفیہ ایمان لائے، پھر ہزارہا علماء نے بعد حصول بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی، بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھیرائی اور بعضوں نے آیات قرآنی و احادیث صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیب عبادت اور ترہیب گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے ہزاروں جہلا کو کہ سیدھا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے تھے عالم بنا دیا، اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے۔[1]

مولانا عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ چالیس ہزار سے زیادہ ہندو و کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔"[2]

نواب صدیق حسن خانؒ "تقصار جیود الاحرار" میں حضرت سید صاحبؒ کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی

---

[1] حیاتہ الناس   [2] سوانح احمدی

ایک نشانی تھے۔ ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہونچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔"

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہونچے، ان کا عشر عشیر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہونچا۔"

شرک و بدعت کی بیخ کنی

حضرت سید صاحب نے شرک و بدعت کے استیصال کی طرف پوری توجہ کی، آپ توحید و سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے، اور آپ کے متبعین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک اجازت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بیعت طریقت دوسری بیعت امامت۔ بیعت طریقت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ ہاتھ آ جائے اور حق تعالیٰ کی رضامندی منحصر ہے شریعت کی پیروی میں۔ جو شخص شریعت محمدیؐ کے سوا کسی اور راستہ کو حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے اور اس کا دعویٰ باطل اور ناقابل سماعت۔"

اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے: ایک ترک اشراک دوسرے ترک بدعات۔

ترک اشراک کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں، جنات، پیر و مرید، استاد و شاگرد، نبی و ولی میں سے کسی کو مشکل کشا، دافع بلا، اور منافع کے حاصل کرانے پر قادر نہ سمجھے سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کے سامنے اپنی طرح عاجز و نادان سمجھے، اور اپنی ضرورتوں کی طلب میں انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ میں سے ہرگز ہرگز کسی کی نذر و نیاز نہ کرے، ہاں یہ ضرور عقیدہ رکھے کہ وہ مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں، ان کی مقبولیت کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی پیروی کی جائے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھا جائے، نہ یہ کہ ان کو اس عالم میں متصرّف اور ظاہر و باطن کا عالم سمجھا جائے یہ محض کفر و شرک ہے، مومن کا اس سے آلودہ ہونا کسی طرح درست نہیں۔

ترک بدعت کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات و امور معاش و معاد میں خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پوری قوت اور بلند ہمتی سے پکڑنا چاہیے اور جو آپ کے بعد لوگوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کر لی ہیں، مثلاً رسوم شادی و ماتم، قبروں کی زینت و آرائش، ان پر عمارتیں بنوانا، شادی کی تقریبات میں فضول خرچی و اسراف، تعزیہ سازی وغیرہ ہرگز ان کو اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے اولاً خود ان کو ترک کیا جائے، پھر ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کی دعوت دی جائے جس طرح اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔[1]

[1] فارسی سے ترجمہ، ماخوذ از سیرت سید احمد شہیدؒ۔

ہندوستان میں اس وقت جاہل و بدعتی صوفیوں کے اثر اور ہندوؤں کے میل جول سے مسلمانوں میں شرک و بدعت کی گرم بازاری تھی۔ نام رکھنے میں، قسم کھانے میں، دعا اور مزارات پر حاضری اور شرکیہ اعمال میں اتنی زیادتی ہو گئی تھی کہ عام مسلمان تو کجا، علماء و مشائخ میں شرک و بدعت کی بُرائی کا احساس باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جب حضرت سید صاحب نے بانگ دہل شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور اعلانِ حق کیا تو پورے معاشرہ میں ہل چل مچ گئی اور لوگوں کی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف ہوئی اور شرک و بدعت، رسوم و رواج کا پردہ چاک ہوا، لوگوں کی آنکھیں کھُلیں۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالہ "دعوت" میں لکھتے ہیں:

"گلی گلی شرک و بدعت کی تحقیق ہونے لگی، پانچ پانچ سو برس کی رسومات بد جہاں سے اٹھنے لگیں۔ اگر اس گروہ کا کوئی ادنیٰ مُرید بھی ہے تو اس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں: شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعظیم"۔

شرک و بدعت سے دین کی تطہیر آپ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ ہے۔ مولانا سخاوت علی جون پوریؒ رسالہ نصائح میں لکھتے ہیں:

"جیسا کہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام کو مکہ والوں نے بدل ڈالا تھا اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدھا کیا تھا اور تحریفات کو دور فرمایا تھا ویسا ہی سمجھو کہ شریعت محمدیہ کو جاہلوں اور بدعتیوں نے بدل ڈالا، اور حضرت مجدد وقت سید احمد امام دورہ دامت برکاتہ نے تحریفات اور بدعتوں کو دفع کیا، اب سلامت دین و ایمان اسی خاندان اور طریقہ محمدیہ میں ہے"۔

توحید و سنت کا یہ رنگ اتنا گہرا اور پائدار ہوتا تھا اور آپ کی صحبت و بیعت اتنی

موثر تھی کہ جس نے بھی آپ سے بیعت کی، یا آپ کی صحبت بابرکت میں بیٹھ گیا اس پر ایسا رنگ چڑھ جاتا تھا کہ کسی طرح نہ اُترتا تھا، بچے اور عورتیں بھی اس رنگ میں اتنی کامل تھیں کہ کوئی ان کو اس راہ حق سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپ نے اسلام کی تبلیغ اور توحید و سنت کی عالم گیر اشاعت فرمائی اور ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں آپ کا فیض نہ پہونچا ہو، دہلی اور کلکتہ کے درمیان سیکڑوں مقامات کا آپ نے بنفس نفیس دورہ فرمایا۔ آپ کے عظیم القدر خلفاء مولانا عبد الحی صاحب اور شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ ہوئے سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا، مدراس، حیدرآباد دکن، بمبئی میں مولانا سید محمد علی رام پوری و مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو بھیجا جنھوں نے اصلاح عقاید و اعمال و رسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا، پورب میں آپ کے خلفاء مولانا ولایت علی و مولانا سخاوت علی جون پوری نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیے، بنگال میں مولانا کرامت علی جون پوری، صوفی نور محمد کی کوششوں سے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے، نیپال کی ترائی میں مولانا سید جعفر علی نے ہدایت کی روشنی پھیلائی افغانستان میں آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ قندھاری سے بڑی اصلاح ہوئی جن کے خلیفہ مولانا عبد اللہ غزنوی سے پنجاب میں بڑی ہدایت و روشنی پھیلی۔

تبت میں آپ نے وہیں کے چند باشندوں کو جو آپ سے بیعت ہوئے تھے تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا اور ان میں سے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین گئے۔

جاوا، بلغار اور مراکش کے بہت سے اہل علم و فضل آپ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہو کر اپنے اپنے ملکوں میں خدمت دین میں مصروف ہوئے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (۵ حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے بنیادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

نبی رحمت مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (۲ حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروان مدینہ
قادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروان زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبدالحئیؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پا جا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر — فضل ربی ندوی — فون ۔ 621817
مجلس نشریات اسلام ناظم آباد مینشن ۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸